اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ
بے شک یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے
تفسیر
مدارک
اُردو
تالیف
امام المفسرین عبداللہ بن احمد نسفی حنفی
اردو ترجمانی
مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیری استاذ دارالعلوم دیوبند
ابن امام العصر حضرت العلامہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری
ناشر: خضر راہ بک ڈپو، دیوبند یو-پی

اُردو زبان میں حدیث کی عظیم المرتبت کتاب صحیح بخاری کی کامل و مکمل شرح موسومہ

انوار الباری (شرح اردو) صحیح البخاری

مع مکمل عربی متن و اُردو ترجمہ

مرتبہ مولانا سید احمد رضا صاحب (فاضل دیوبند) تلمیذ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب محدث کشمیری قدس اللہ سرہ العزیز

"چودہ سو سال بعد آفتابِ نبوت کی کرنیں، احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیا پاشیاں نئے انداز میں"

دینِ اسلام کی پوری عمارت دو مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہے قرآن مجید اور حدیث صحیح۔ اور جس طرح ہر دینی یا دنیوی قانون کے لئے توضیحات و تشریحات کی ضرورت ہے، قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کی شرح و تفسیر کی بدرجۂ اولیٰ ضرورت تھی؛ عربی، فارسی، اُردو اور دنیا کی دوسری زبانوں میں قرآن مجید کی سیکڑوں تفاسیر و تراجم لکھے گئے، اسی طرح کتب حدیث کی بھی عربی و فارسی وغیرہ زبانوں میں صدہا شروح تصنیف ہوئیں، مگر اُردو کا دامن حدیث کی کما حقہٗ اس خدمت سے خالی تھا۔ اسلام کا مکمل قانون دینی و دنیاوی زندگی میں قرآن مجید کی جہانتاب روشنی کے بعد حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تنویر ہے جس میں مسائل فقہیہ کے علاوہ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق، انسان کی دینی و دُنیوی زندگی کے تمام مسائل غرض پورے اسلامی معاشرے کی مکمل و صحیح ترین تصویر سامنے آجاتی ہے۔ پھر فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند پایہ احادیث کو امام بخاریؒ نے جس حسن و خوبی اور صحت و اہتمام کے ساتھ مرتب فرمایا ہے اس کی نظیر اول و آخر میں نہیں ہے۔ اسلئے ہم نے خالص دینی و علمی نقطۂ نظر سے کتاب بخاری کی اُردو شرح کا نیا باب کھولا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ان تشریحات میں آپ کو حدیث رسولؐ کی اصل عظمت محسوس ہوگی، دَورِ حاضر کے تمام مسائل اور الجھنیں اس طرح حل نظر آئیں گی کہ حدیث زندگی کے تمام شعبوں میں کار فرما ہو۔ فقہیات کا تمام مجموعہ احادیث رسولؐ کا ایک مظہر محسوس ہوگا۔ فرقِ باطلہ کیلئے یہ مجموعہ ایک صاعقۂ محرقہ ثابت ہوگا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ۔

ایک نسخۂ شفاء:- مصائب و مشکلات کے وقت تمام علماء اسلام نے بخاری شریف پڑھنے کا معمول رکھا ہے، اور یوں بھی پڑھئے تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ ہم کلامی کی برکت حاصل ہو، سُنیئے تو مبارک ارشادات کے انوار سے منور ہو جیئے، گھر میں رکھئے تو خیر و برکت کا عظیم سرمایہ، دین و دنیا کی سب سے بڑی عزت و سعادت اور قابل فخر دولت۔

چند دیگر خصوصیات

(۱) بخاری شریف کا پورا متن اعراب کیساتھ عربی خط میں، اور اُردو ترجمہ و تشریحات عمدہ نستعلیق خط میں ہوں گی۔ (۲) بخاری شریف کی قدیم شروح فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، تیسیر القاری وغیرہ سے اہم مباحث وضاحت کے ساتھ درج ہوں گے (۳) اپنے اکابر حضرت گنگوہیؒ، شیخ الہندؒ، حضرت مولانا مدنیؒ کی تقاریر درسِ ترمذی و بخاری کے افادات علیہ شامل ہوں گے (۴) محدث یگانہ علامۂ عصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی مطبوعہ تقاریر درسِ ترمذی و بخاری و ابوداؤد، ملفوظات عالیہ اور غیر مطبوعہ تقاریر درسِ بخاری شریف کے وہ مضامین عالیہ بھی درج کئے گئے ہیں جو مرتب موصوف نے بزمانۂ قیام جامعہ ڈابھیل حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر کئی سال تک قلمبند کئے تھے (۵) اور علامہ عثمانیؒ کی فتح الملہم شرح مسلم کی گرانقدر علمی تحقیقات اور حدیثی تشریحات کو اُردو میں منتقل کیا گیا ہے (۶) مختلف فیہ مسائل پر حنفیہ کی طرف سے دلائل و جوابات کا قابل قدر ذخیرہ پیش ہوگا جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے قلمی حواشی آثار السنن مسمیٰ "الاتحاف" سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

حضرت اقدس مجدد صاحبؒ اور دوسرے اکابر اُمت کے افاضات بھی موقع بموقع درج ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔

لائحۂ عمل اور ضروری باتیں

(۱) پوری کتاب کے تقریباً آٹھ ہزار صفحات ہوں گے، خریداروں کی سہولت کے خیال سے بالاقساط شائع کی جا رہی ہے (۲) یہ مجموعہ تقریباً چالیس حصوں میں شائع ہوگا، جس کے پہلے دو حصے ۵۰۰ صفحات کے بطور مقدمہ شائع کئے گئے ہیں۔ ان میں ۱۳ صدی کے سات سو محدثین کے گراں قدر علمی حالات و حدیثی خدمات مذکور ہیں۔ تیسرے حصہ سے بخاری شریف کی بے نظیر مبسوط و مکمل شرح اردو میں سہ ماہی پروگرام کے تحت اشاعت پذیر ہے، جو علماء، طلباء، جدید تعلیم یافتہ اور عام مسلمانوں کے لئے نہایت مفید ہے۔

(ھدیہ) مقدمہ کی ہر دو جلد آٹھ روپے آٹھ آنے۔ باقی ہر حصہ تین روپے آٹھ آنے۔ لیکن ممبرانِ ہند و پاک کے لئے (جو ایک روپیہ فیس ممبری آٹھویں حصہ کی اشاعت سے قبل جمع کر دیں گے) ہر حصہ غیر مجلد ۲/۸ ۲۰۰ دو سو صفحات کا ڈھائی روپے میں ہوگا (علاوہ محصول ڈاک) جو حضرات مکمل کتاب غیر مجلد مع محصولڈاک و رجسٹری کے لئے ڈیڑھ سو روپے، مجلد کے لئے دو سو روپے جمع کریں گے۔ وہ اس عظیم حدیثی خدمت کے معاونین شمار ہوں گے۔

مکتبہ ناشر العلوم، بجارہ روڈ، بجنور (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

تفسیر مدارک

اردو

تالیف

امام عبداللہ ابن احمد نسفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ترجمہ قرآنِ پاک

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ

اردو ترجمانی

مولانا محمد انظر شاہ صاحب کاشمیری

پارہ سیقول

چوتھا جز

شائع کردہ:-
خضر راہ بکڈپو، دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

قیمت:- دو روپے

خطاطی محمد انور دیوبندی

دین و دانش کے مناروں سے

اذانِ تحسین

ذیل میں پورے فخر و مباہات کے ساتھ صدر نشین بزمِ علم و دین، امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند و صدر جمعیۃ العلماء ہند کی وہ تقریظ پیش کی جاتی ہے جو حضرت موصوف نے اردو ترجمہ "مدارک" کے متعلق تحریر فرمائی۔ فضل و کمال کی مسندِ عالی سے یہ کلمات، حقیر مترجم کے لئے سرمایۂ دین و دنیا ہیں۔ (انظر شاہ)

اَمّا بعد۔ اس وقت میرے سامنے تفسیر "مدارک اردو" کا تیسرا جزء ہے جس کے ترجمہ اور ترتیب کا فخر مولانا سید انظر شاہ کشمیری کو حاصل ہے۔ موصوف دار العلوم کے فضلاء میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں اور دار العلوم کے اساتذہ میں اپنی بہتر سیرت اور عمدہ تعلیم کے باعث طلبہ کی نظر میں بڑے موقر اور معزز ہیں آپ حضرت استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس سرہ العزیز کے فرزند رشید ہیں۔ قدرت نے فکری صلاحیتوں اور ذہنی قابلیتوں کے ساتھ آپ کو خاندانی ذکاوت کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ کتب بینی کا خاص ذوق ہے موصوف نے تفسیر "مدارک" کے ترجمہ کا بیڑا اٹھایا ہے جس کو فنِ تفسیر میں اعلیٰ مقام حاصل ہے سب جانتے ہیں کہ تالیف و تصنیف کے مقابلہ میں کسی کتاب کا ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے۔ تصنیف میں، مصنف کا قلم آزاد رہتا ہے لیکن مترجم کا قلم بالکل اصل کتاب کے تابع ہوگا۔ ادھر اُدھر نہیں جا سکتا، میں نے کہیں کہیں سے اس کا مطالعہ کیا ہے میرا اندازہ ہے کہ موصوف کے قلم میں اعتدال ہے اعتداء نہیں، میں نے موصوف کو بعض مشورے پیش کیے ہیں جن کو موصوف نے بڑی عالی ظرفی اور فراخ حوصلگی سے قبول فرمایا ہے۔ اور چوں کہ مترجم کے پیشِ نظر زیادہ عوام کے نفع رسانی کا مسئلہ رہا ہے اور عوام کو ترکیب نحوی سے کوئی دلچسپی ہی نہیں بلکہ الجھن ہوتی ہے اس لیے موصوف نے ترکیب نحوی کا ترجمہ ترکیب کے رنگ میں پیش نہیں فرمایا بلکہ ترجمہ ایسا فرما دیا جس سے اُن تراکیب کی طرف بھی اشارہ ہو جائے جو اصل کتاب میں مذکور ہیں۔ نیز مترجم موصوف نے دیگر قدیم و جدید تفاسیر کے مطالعہ سے موقع بہ موقع نہایت دلچسپ اور مفید معلومات کا اضافہ فرما کر اپنے ترجمہ کو مفید سے مفید تر بنا دیا۔ شراب اور جوئے پر حاشیہ میں جو تحقیقات کا قیمتی انبار لگایا ہے وہ تو نہایت ہی قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہے غرض یہ ترجمہ سلیس بامحاورہ ہے اور مطلب خیز ہے خداوند کریم اس کو قبول فرمائے اور موصوف کو ان کے ارادہ میں قوۃ اور عزیمت میں اخلاص مزید عطا فرما کر اتمام ترجمہ کی توفیق بخشے اور اس ترجمہ کو خواص و عوام دونوں کے لیے مقبول بنائے وما توفیقی الا باللہ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین وصلے اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

العبد الاحقر الافقر ابو المعین (حضرت مولانا) فخر الدین احمد غفر اللہ لہ الاحد الصمد

۲۴ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

فہرست مضامین تفسیر مدارک اردو جزء چہارم

گذارشات

(۱) ہزار بار شکر اس منعم حقیقی کا جس کی توفیق عناں گیر و ہم رکاب ہے آج تفسیر "مدارک" کا چوتھا جزء ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ ہماری محنت اور جد وجہد حسن نیت و اخلاص کی رفاقت میں آگے بڑھ رہی ہے، ترجمہ کی سلاست، شگفتگی کو باقی رکھتے ہوئے تفسیری ذخیرہ سے نوادر پیش کرنے میں ہمارے قلم نے کوتاہی نہیں کی "عصر حاضر" کے پیدا کردہ شبہات، ذہنی الجھنیں، دماغی خلش، ذیلی حاشیوں میں سامنے لاکر چبھے ہوئے کانٹوں کی طرح نکال دی گئیں۔ قارئین ان ذہنی کاوشوں کے ہفت خواں کو محسوس بھی نہیں کر سکتے، جو اس سلسلہ میں ہم کو طے کرنا پڑتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پارہ متعین مدت سے ادھر اُدھر ہو جاتا ہے لیکن اس جبری تاخیر کے باوجود ہم نے خدمتِ قرآن کا جو ایک منصوبہ سامنے رکھا ہے۔ دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ اس کی تکمیل کی ہم کو توفیق عنایت فرمائے۔

(۲) جو تفسیر ہمارے زیر قلم ہے غالباً آپ کو معلوم نہ ہو وہ نہایت طویل مضامین پر پھیلی ہوئی اہم تفسیری ذخیرہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے کوشش کے باوجود ایک پارہ کا مکمل ترجمہ۔ ایک سہ ماہی اشاعت میں ممکن نہیں۔ ہمارے بعض قارئین بار بار لکھتے ہیں کہ ایک مکمل پارہ کا وعدہ تھا تاہم ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے عرض کریں گے کہ پارہ سے مراد چھیانوے ۹۶ صفحات کا جزء ہے سہ ماہی تمام پروگرام جو دیوبند سے جاری ہیں ان سب میں یہی صورت ہے، یہ دوسری بات ہے کہ انھیں ۹۶ صفحات میں پورا پارہ آجائے جس کی کوشش ہم بھی کرتے ہیں، تاہم قارئین سے التجا ہے کہ وہ اس جلد بازی سے کام لے کر ہمارے خدمتی منصوبہ کو ناکام نہ کریں۔

پاکستان کے خریدار

پارہ کی قیمت اور فیس ممبری جو تین روپیہ ہوتی ہے (سوا روپیہ پارہ کی قیمت، بارہ آنے ڈاک خرچ، ایک روپیہ فیس ممبری) حضرت مولانا محمد صاحب انوری لائلپوری مکان نمبر ۲۲۳ سنت پورہ، مین بازار لائلپور، مغربی پاکستان کو بھیجکر ڈاکخانہ کی رسید ہمیں دیوبند روانہ کردیں پارہ انکو بھیجدیا جائیگا۔ چاروں پاروں کیلئے سات روپے ۵۰ پیسے

(۳) اسی طرح بعض خریدار وی، پی واپس کر کے ادارہ کی سخت حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ ہم ان کو بتائیں گے کہ اس کام میں ہم کو ایک پیسہ کی بھی یافت نہیں اس پر یہ زبردست نقصان کہیں ہماری ہمتیں شل نہ کر دے، لہذا گذارش ہے کہ جو صاحب خریداری سے دستبردار ہونا چاہتے ہوں براہِ کرم پارہ کی ترسیل سے پہلے ہم کو ایک کارڈ کے ذریعہ مطلع کر دیں تاکہ ان کی خدمت میں پارہ ارسال نہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہم امت کے دردمند حضرات اور دین کا صحیح جذبہ رکھنے والوں سے اس بات کی پُرزور گذارش کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ اس دینی خدمت میں تعاون و اشتراک فرمائیں۔ قرآن مجید کی اشاعت و تفسیر کی خدمت اور فہم میں تعاون انشاء اللہ اجرِ عظیم کا باعث ہوگا۔

نیازمند منیجر

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ

وہ طلاق دو مرتبہ (کی) ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا

اور تمہارے لیئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (سہی) جو تم نے انکو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونو کو

حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

احتمال ہو کہ اللہ تعالی کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا

فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ

اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔ یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ

باہر نکل جاوے سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ

لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ

اس کے لیئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کیساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرلے پھر اگر یہ اسکو طلاق

عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ

دیدے تو ان دونوں پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر مل جاویں بشرطیکہ دونوں غالب گمان رکھتے ہیں کہ (آئندہ) خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے

حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

اور یہ خداوندی ضابطے ہیں۔ حق تعالی ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے جو دانشمند ہیں

طلاق تو دو ہی بار کی ہے اس کے بعد (یا تو عورت کو رکھ لینا) قاعدہ کے مطابق یا پھر بہتر طریقہ پر چھوڑ دینا ہے اور تمہارے لیئے جائز نہیں کہ جو مال تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو، ہاں اس صورت میں لے سکتے ہو جبکہ خطرہ ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون پر عمل نہ کر سکو گے تو دونوں پر اس مال کے بارہ میں کوئی گناہ نہ ہوگا جو عورت معاوضہ میں دیدے ،،۔ یہ سب اللہ کے قانون ہیں سو ان سے باہر نہ نکلنا اور جو کوئی اللہ کے قانون کو توڑے گا سو ایسے لوگ تو اپنے حق میں ظلم کرنے والے ہیں۔ پھر اگر کوئی اپنی بی بی کو طلاق دے ہی دے، تو وہ عورت اس کے بعد اس کے لیئے جائز نہ رہے گی یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے پھر اگر وہ بھی اسے طلاق دیدے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ پھر مل جائیں بشرطیکہ دونوں ظن غالب یہی رکھتے ہوں کہ اللہ کے قانون پر عمل کریں گے۔ اور یہ بھی اللہ کے قانون ہیں ان کو

واضح طور پر انھیں کے لیئے بیان کیا جاتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔

طلاق کے معاملہ میں ایک غلط افراط و تفریط پر تنبیہ

فرماتے ہیں کہ طلاق شرعی کی صورت یہ ہے کہ دو طلاق، علیحدہ علیحدہ دی جائیں ایک وقت میں دو طلاق دینے سے بچنا چاہیئے۔ قرآن مجید نے اس موقع پر "طلاق" کا لفظ اختیار کیا ہے جو "تطلیق" کے معنی میں ہے جیسا کہ "سلامت" یا "تسلیم" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سمجھانا اس لفظ سے یہ ہے کہ "طلاق"، دو اگر دینا ہوں تو ایک ساتھ نہ دینی چاہیئیں بلکہ ایک، ایک کر کے دینا بہتر ہے اور یہ بھی یہاں مراد نہیں کہ دو "طلاقیں" دینا ہی ضروری ہیں یعنی "مرتان"، واقعی دو مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر کوئی ایک سے زیادہ دینا ہی چاہتا ہو تو دو مرتبہ کر کے دو طلاق دے سکتا ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک موقع پر فرمایا گیا کہ "ارجع البصر کرتین" یعنی بار بار نظر اٹھا کر دیکھو یہ مطلب نہیں کہ صرف دو ہی بار نظر اٹھاؤ۔

ان الفاظ سے "احناف" کے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ ایک طہر میں دو یا تین طلاق نہیں دی جا سکتیں، اور یہ اس لیئے کہ خدا تعالیٰ نے تفریق کا حکم دیا ہے یعنی طلاق کو دو مرتبہ کر کے واقع کرنے کا ارشاد فرمایا کیونکہ یہ جملہ اگرچہ خبر کی صورت میں ہے لیکن ہے معنی میں "امر" کے اور اگر یہ معنی مراد نہ لیئے جائیں گے تو یقیناً خدا تعالیٰ کی خبر میں خلافِ واقعہ ہونے کا شبہ ہو گا جو کسی طرح بھی صحیح نہیں کیونکہ اب صورت یہ بھی ہو گی کہ کبھی طلاق، جمع کی شکل میں بھی پائی جاتی ہے اور خدا تعالیٰ نے اطلاع دی تھی کہ طلاق جمع کی شکل میں نہیں بلکہ متفرق طور پر ہوتی ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک انصاری عورت نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا تھا کہ میرا شوہر کہتا ہے کہ تجھ کو بار بار طلاق دوں گا اور بار بار رجعت کروں گا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ جن طلاق کی صورت میں رجعت کی اجازت ہے بس وہ صرف دو طلاق ہیں "دو" کے بعد رجعت کا اختیار نہیں ہے۔ دو طلاق کے بعد یا تو اچھے سلوک کے ساتھ عورت کو رکھنے کا ارادہ کرو۔ یا پھر رجعت نہ کرو بلکہ عدت گذر جانے دو تا کہ عورت بائنہ ہو جائے۔ اور یہ بھی مطلب لیا گیا ہے کہ تیسرے طہر میں تیسری طلاق واقع نہ کرے۔

اسلام میں سب سے پہلا خلع

آنے والی آیات حضرت جمیلہ کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ ان کے شوہر ثابت بن قیس بن شماس تھے اور ان کو جمیلہ سے بڑی محبت تھی لیکن جمیلہ ان سے شدید نفرت کرتیں، حضرت ثابت رضؓ نے مہر میں ان کو ایک باغ دیا تھا۔ اب طلاق کے وقت جمیلہ نے وہی باغ واپس کر کے ان سے طلاق چاہی، یہی صورت "خلع" کی ہوتی ہے اس طرح یہ اسلام میں سب سے پہلا خلع ہوا۔

پھر فرماتے ہیں کہ اے شوہرو یا اے حکام، حکام اس وجہ سے مراد ہو سکتے ہیں کہ وہی دینے اور لینے کا حکم دیں گے جب ان کے پاس جھگڑا شوہر اور بیوی کا پہنچے گا تو دینے لینے کے سلسلہ میں ان کے فیصلہ کو بالکل آخری حیثیت جو حاصل ہو گئی۔ اس کی بنا پر لینے والا اور دینے والا ان کو کہا جا سکتا ہے دیہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ آپ کا عدالت میں مقدمہ چل رہا ہو اور عدالت فیصلہ کر دے کہ فریق مخالف کو اتنا روپیہ دے دو، آپ کہیں گے کہ عدالت مجھ سے اتنی رقم لے رہی ہے حالانکہ عدالت کہاں لے رہی ہے؟۔ مگر فیصلہ دینے کا آپ نے عدالت ہی کے حکم پر کیا اس لیئے اپنی زبان اور محاورہ میں لینے والا بھی آپ نے اسی کو ٹھہرا دیا)۔ بہر حال فرمایا کہ اے حکام تمہارے لیئے یہ جائز نہیں کہ عورتوں کو مہر کے طور پر جو کچھ دے چکے ہو ان سے واپس لو ہاں یہ اور بات ہے کہ عورت کی نافرمانی سے یہ یقین ہو کہ وہ اب بیوی کی حیثیت سے قطعاً شوہر کی اطاعت نہ کر سکے گی تو پھر

دیئے ہوئے مہر کو واپس لینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر تم کو اندیشہ ہو، بظاہر خطاب ان آیات میں حکام کو معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی آیات یعنی "ولا یحل لکم" میں مخاطب شوہر ہوں اور یہاں "فان خفتم" میں روئے سخن حکام وقت کی طرف ہو۔ پھر ارشاد ہے کہ اگر تم کو اندیشہ ہو کہ شوہر اور بیوی اپنی خانگی زندگی میں ان حدود کی رعایت نہیں کر سکیں گے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان پر قائم کیے ہیں تو پھر علیحدگی اختیار کرنے کے لیے عورت جو کچھ دے دلا کر شوہر سے اپنا پیچھا چھڑا رہی ہے اور مرد جو کچھ لے کر اس کو چھوڑ رہا ہے اس طرح کے معاملہ (خلع) میں کوئی قباحت نہیں۔

آخر میں فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے مسائل نکاح وطلاق، ایلاء اور یمین، خلع وغیرہ کے سلسلہ میں بیان کیے یہ سب خدا تعالیٰ کے وضع کردہ قوانین ہیں سو مقنن کی عظیم ترین ہستی اور اس کے بھرپور اقتدار کو پیش نظر رکھو اور ذرا بھی اس کی جرأت نہ کرو کہ قانون توڑ کر اپنی من مانی کارروائی چلاؤ۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ ہی کے قوانین کو توڑ دے تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھکر ظالم کوئی بھی نہیں جس کا نقصان خود اسی کو پہنچے گا، اپنے نقصان کا خیال نہ کرنے والے ظاہر ہے کہ بڑے ہی ظالم ہیں۔

ایک اور مسئلہ

فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے دو طلاق دینے کے بعد ایک اور دے کر پوری تین ہی کر دیں، تو اب اس شوہر کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ اس عورت سے "بیوی و شوہر" کا معاملہ اختیار کرے تاوقتیکہ اس عورت کا کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ ہو اور جب یہ دوسرا شوہر طلاق دے دے تو عدت گذرنے کے بعد اگر عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے بشرطیکہ دونوں کا یہ خیال درجۂ یقین تک پہنچ گیا ہو کہ اب وہ خانگی زندگی شوہر اور بیوی کی حیثیت میں گذاریں گے جس میں تلخی نہ ہوگی اور نہ حدود و قوانین کی خلاف ورزی، ہم یہ قانون انھیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں جن کو سمجھ ہو اور وہ جان سکیں کہ قانون پر عمل کرنا ہی کامیاب اور مطمئن زندگی کی ضمانت ہے۔

آیات کی تشریح تو گذر چکی لیکن آپ اگر غور سے قرآن مجید کا مطالعہ کر رہے ہیں تو ان آیات میں ایک بڑا اشکال محسوس ہوگا وہ یہ کہ خلع کو احناف تو طلاق کہتے ہی ہیں لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق خلع طلاق ہی ہے اگر ایسا ہے تو ان آیات میں گویا کہ چار مرتبہ طلاق کی اجازت معلوم ہوئی حالانکہ سب جانتے ہیں کہ "اسلام" میں کل تین طلاق کی اجازت ہے لیکن یہ اشکال اس طرح ختم ہو سکتا ہے کہ خلع اصل میں اس طلاق کا نام ہے جس میں کچھ معاوضہ عورت کی طرف سے شوہر کو دیا جاتا ہے تو گویا کہ یہ تیسری طلاق اسی خلع کا بیان ہوا مستقل کوئی طلاق نہیں ہوئی نتیجہ میں تین ہی طلاق رہیں تین سے زائد نہیں

احناف کی ایک دلیل

احناف کی رائے ہے کہ عورت اگر چاہے تو خود بھی اپنا نکاح کر سکتی ہے خواہ اس کے اولیاء ہوں یا نہ ہوں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ انکار فرماتے ہیں ان کی رائے میں بغیر ولی عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا لیکن ان آیات میں جس طرح گفتگو کی گئی اس سے حنفیہ کی رائے کی درستگی معلوم ہو سکتی ہے نکاح کی نسبت اور اس کے قائم کرنے کا تعلق یہاں عورت ہی سے کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں خود عورت کا اپنا نکاح مشروع ہے اس کی ممانعت نہیں، شریعت میں اس نکاح کو جو عورت شوہر کی تین طلاقوں کے بعد ایک دوسرے سے کر رہی ہے حلالہ کہتے ہیں۔ اس حلالہ میں تمام امت کی رائے کے مطابق ضروری ہے کہ دوسرا شوہر اس عورت کے ساتھ ہم بستری کرے اگر ہم بستری نہ کرے گا تو پہلے شوہر سے نکاح صحیح نہ ہوگا۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کا واقعہ پیش آیا کہ رفاعہ رضؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور طلاق بھی مغلظہ، بعد میں رفاعہ رضؓ کی بیوی نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی لیکن وہاں بھی ان کی

زندگی ابن زبیرؓ کی قوتِ مردانگی کمزور ہونے کی وجہ سے خوشگوار نہ ہو سکی وہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنی داستان سنائی آپؐ ان کے انداز سے سمجھ گئے کہ یہ پھر رفاعہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں جانا چاہتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تا وقتیکہ ابن زبیرؓ تم سے ہم بستری نہ کرلیں حلالہ صحیح نہیں ہو سکتا، اس حدیث کے پیش نظر تمام امت نے حلالہ میں وطی ضروری قرار دی ہے۔

ویسے بھی یہ ضروری اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر اول کا بار بار طلاق دینا اور یہاں تک کہ تین طلاقیں دے گذرنا یہ اس کی عادت ختم نہیں ہوگی تا وقتیکہ اس کی بیوی سے کوئی اور شخص جائز طریقہ پر ہم بستری نہ کرے اس طرح اس کے احساس غیرت کو مہمیز ہوگی اور آئندہ یہ طلاق کے خطرناک کھیل سے پوری طرح بچے گا اس طرح شاید دونوں اس طویل تلخ تجربہ کے بعد اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کریں گے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

اور جب تم نے عورتوں کو (رجعی) طلاق دی ہو پھر وہ اپنی عدت گذر نے کے قریب پہنچ جاویں تو (یا تو) تم ان کو قاعدہ کے موافق (رجعت کرکے)

أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ

نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو رہائی دو اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رکھو اس ارادہ سے کہ ان پر ظلم کیا کروگے اور جو

يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ

شخص ایسا برتاؤ کرے گا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو لہو و لعب (کی طرح بے وقعت) مت سمجھو

ف۵ ان آیات میں طلاق اور اس سے متعلقہ مسائل تفصیل کے ساتھ زیر بحث آئے اور ساتھ ہی عرب جاہلیت میں پھیلی ہوئی بہت سی گمراہیوں کا مفصل رد فرمایا، مثلاً عرب جاہلیت میں طلاق کی کوئی تعداد متعین نہیں تھی بلکہ عورت کو پریشان کرنے کے لیے جتنی چاہتے طلاق دیتے اور جب چاہتے رجعت کرلیتے اور یہ رجعت بھی کسی نیک ارادہ سے نہیں بلکہ عورت کو اور زیادہ مبتلا کرنے اور تکلیف دینے کے لیے ہوتی، ایسے ہی طلاق دینے کے بعد جو کچھ شوہر نے نکاح کے وقت دیا تھا سب واپس لے لیا جاتا، شریعت اسلامی نے انھیں تمام مفاسد پر اس باریک نظری کے ساتھ روک ٹوک کی جس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ احکام و قوانین کسی انسانی دماغ کی پیداوار نہیں بلکہ علیم و خبیر کے علم و خبرت کی کامل نشانیاں ہیں۔ ان آیات میں حدود اللہ سے انھیں قوانین کی طرف اشارہ ہے جو خدا تعالیٰ نے بندوں پر طلاق نکاح، خلع وغیرہ میں فرض کیے ہیں چناں چہ جصاص میں ہے کہ "قال طاؤس فیما افترض علیٰ کل واحد منهما فی العشرة والصحبة" خلع ایک طلاق ہے اور طلاق بائن اس کے طلاق بائن پر فقیہ جصاص نے فقہاء کا متفقہ قول ..... نقل کیا ہے لکھا ہے کہ "وهو قول فقهاء الامصار لا خلاف بینهم"، ہاں خلع میں یہ ضرور اختلاف ہوا ہے کہ آیا یہ صرف اسی خوف و اندیشہ کی حالت میں جائز ہوگا جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے یا عام حالات میں بھی اس کی مشروعیت ہے۔ امام زہری اور امام داؤد ظاہری کے علاوہ تمام فقہاء کہتے ہیں کہ خلع عام حالات میں بھی بالکل جائز ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے کہ "اما جمهور المجتهدین فقالوا الخلع جائز فی حالة الخوف وفی غیر حالة الخوف"۔ حلالہ میں دوسرے شوہر کا عورت کے ساتھ ہم بستر ہونا تمام امت کے نزدیک ضروری ہے (باقی ص ۹ پر)

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ

اور حق تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور (خصوصاً) اس کتاب اور (مضامین) حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس حیثیت سے

يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○

نازل فرمائی ہیں کہ تم کو ان کے ذریعہ سے نصیحت فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی مدت گذرنے پر پہونچ جائیں تو اب یا تو ان کو عزت کے ساتھ روکے رکھو اور یا پھر عزت کے ساتھ رہائی دے دو۔ لیکن یہ نہ ہونا چاہیے کہ ان کو تکلیف دینے کی غرض سے روکے رکھو، اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنی ہی جان پر ظلم کرے گا اور اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو، اور اللہ کی نعمتیں اپنے اوپر یاد کرو اور اس کتاب وحکمت کو بھی جو اس نے تم پر اتاری ہے کہ اس سے وہ تم کو نصیحت کرتا رہتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

عرب جاہلیت میں عادت تھی کہ جب عورتوں کو طلاق دیتے اور ان کی عدت کا وقت ختم ہونے کے قریب آتا تو پھر ان سے نکاح کر لیتے اور نکاح کے بعد پھر طلاق دیتے گویا کہ یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ صرف عورت کو ایک پریشانی اور بلاوجہ کی کوفت و ذہنی اذیت میں مبتلا کرنے کا دھندہ تھا۔ ان آیات میں اسی ایذا رسانی کے مذموم طریقہ کو ختم کر دینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ عربی لغت کے اعتبار سے لفظ اجل کا اطلاق مدت پر ہوتا ہے، اور کسی مدت کے اختتام پر بھی چنانچہ انسان کی زندگی اور عمر کے لئے بھی لفظ اجل بولا جاتا ہے اور موت پر بھی اجل کا لفظ بولتے ہیں جس پر انسانی عمر ختم ہوتی ہے۔ عورت کے ساتھ اگر طلاق دینے کے بعد بہترین زندگی گذارنے کا واقعی ارادہ ہو تو اس کو دوبارہ نکاح میں لوٹانا چاہیئے لیکن اگر ایسا ارادہ نہیں ہے تو پھر عدت پوری ہونے کا موقع دینا چاہیئے تاکہ عدت کے ختم پر اس کا نکاح بالکل ہی ختم ہو جائے اور وہ بائنہ ہو کر کسی دوسرے سے نکاح کر سکے، یہ کسی بھی حال میں مناسب نہیں کہ اس کو پریشان کرنے کے لیے جب بھی عدت کے ختم کا وقت آئے تو رجعت کر لی جائے اور خواہ مخواہ اس کی عدت کا زمانہ بڑھا دیا جائے جو شخص عورت کو پریشان کرنے کے لیئے یہ بدترین طریقہ اختیار کرتا ہے اس نے عورت کو تو جو تکلیف پہونچائی پہونچائی مگر اس نے خود اپنے پر بھی بڑا ظلم کیا کیونکہ اس مذموم حرکت کے نتیجہ میں وہ خدا تعالیٰ کے شدید ترین عذاب کا یقیناً مستحق ہو گیا۔ یہ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کا گویا کہ ایک طرح مذاق بنانا ہے والعیاذ باللہ، عمل کرنے والے انسان عمل کرتے ہیں اور جو عمل نہیں کرتے کہا یہی جائے گا کہ ان کی نظر میں قانون کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ وہ قانون کے ساتھ کھیل رہے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کی یہ نعمت کہ اسلام کی ان کو توفیق دی، بحیثیت پیغمبر، النبی الامی کو ان میں مبعوث کیا، قرآن اور سنتِ رسول سے ان کے اندر روشنی پیدا کی جس سے کفر کی تاریکیاں، جہالت کی اندھیریاں چھٹ گئیں ہر اعتبار سے شکر کے قابل تھی ذات گرامی باری تعالیٰ ہر وقت اس سے ڈرنا ہی ایمان ہے اور یہ یقین کہ خدا تعالیٰ ہماری تمام حرکات وسکنات پر پوری پوری اطلاع رکھتا ہے ایمان کے سدا بہار گلزار کی آبیاری ہے۔ یہ الفاظ، بلکہ مخصوص پیرایہ بیان، وعدہ اور وعید کا ایک نرالا انداز بیان ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) حضرت سعید بن مسیبؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے لیکن تمام علماء نے لکھا ہے کہ سعید رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ (حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا) [۱] عرب جاہلیت کی اسی ظالمانہ رسم کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کو پریشان کرنے کے لئے عدت کو اس کی بڑھا دیا جاتا۔ اجل کے لفظ کا استعمال جو صاحب مدارک نے بتایا، زمخشری نے بھی کشاف میں اس کو ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

اور جب تم میں ایسے لوگ پائے جاویں کہ وہ اپنی بیبیوں کو طلاق دے دیں پھر وہ عورتیں اپنی میعاد (عدت) بھی پوری کر چکیں تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

وہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں جب کہ باہم سب رضامند ہو جاویں قاعدہ کے موافق اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو کہ تم میں سے اللہ پر

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو اس نصیحت کو قبول کرنا تمہارے لیئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے

اور جب تم طلاق دے چکو اپنی عورتوں کو اور پھر وہ اپنی مدّت کو پہنچ چکیں تو تم انھیں اس سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں جب کہ وہ آپس میں شرافت کے ساتھ سب راضی ہوں، اس حکم کی نصیحت تم میں سے اس شخص کو کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ (یاد رکھو) یہی حکم، تمہارے حق میں پاکیزہ تر اور صاف تر ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہ آیات حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ ان کی بہن کو طلاق ہوگئی تھی۔ عدّت ابھی باقی تھی کہ بہنوئی اور بہن دونوں پھر سے نکاح پر تیار ہوگئے، ارادہ بھی نیک تھا دلوں میں کسی قسم کی کوئی بُرائی نہیں تھی لیکن حضرت معقل رضی اللہ عنہ کو یہ ضد تھی کہ اب نکاح نہ ہونے دیں گے کیونکہ بہنوئی نے طلاق دے کر تمام خاندان کی عزت کو خاک میں ملا دیا تھا، ایک طرف شوہر اور بیوی کے خفیہ نیک ارادے، دوسری جانب حضرت معقل رضی اللہ عنہ کی حمیت وغیرت کی کشمکش۔ کہ یہ آیات نازل ہوئیں اور معقل رضؓ کو تنبیہ کی گئی کہ وہ اس موقع پر اپنی غیرتِ خاندانی کو سامنے رکھ کر جوش میں کوئی فیصلہ نہ کریں بلکہ ہوش مندی کے ساتھ شوہر اور بیوی کے اس قلبی خواہش کا جائزہ لیں جس پر معقل کی بندشیں اثر انداز ہو کر کہیں معاشرہ میں کسی بُرائی کا دروازہ نہ کھول دیں آیات نازل ہوئیں بس یہ اداتھی حضرات صحابہ کی کہ کہاں وہ جوش وخروش اور کہاں ان آیات واحکام کو سن کر فوراً اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) "والاجل یقع علی مدة کلها وعلی اٰخرها وکذلک الغایت والامد" شریعت نے اختتام مدت پر مرد کو پھر دو اختیار دیئے کہ یا وہ عورت کے ساتھ حسن معاشرت کے واقعی ارادہ پر رجعت کرے ورنہ بہتر طریقہ پر اس کو مکمل آزاد کردے، یہ بہتر طریقہ کیا ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ تیسری طلاق دے کر اس کو مکمل طور پر بائنہ کردینا یا عدّت کے ختم ہوجانے کا اس کو موقع دینا کہ وہ خود ہی بائنہ ہوجائے یہی وہ بہتر طریقہ ہے۔ اسلام اپنے ان جامع احکام میں کیسی انفرادیت رکھتا ہے کہ ہر معاملہ میں صحیح حدود کی مکمل تعیین اور ان کی قوت کے ساتھ نگہداشت، انسانی دماغوں سے اترے ہوئے قانون، واقعات وحقائق کے ان مخفی گوشوں کی پوری تو کیا ادھوری اور ناقص ہی سہی رعایت رکھ سکتے ہیں۔ (مترجم)

بہن اور بہنوئی کے معاملہ میں نہ صرف یکسو ہو گئے بلکہ ہنسی وخوشی خود ہی بہن کا دوبارہ نکاح پہلے بہنوئی سے کر دیا۔ بلوغ اجل سے مراد، عورت کی عدت کا ختم ہونا ہے اس لیئے دونوں کلام کے مجموعہ سے دونوں مدتوں کا مختلف ہونا معلوم ہوا کیونکہ نکاح یہاں بعد میں ہے اور اختتام عدت پہلے۔ اور پہلے مسئلہ میں "رجعت" کا ذکر تھا اور رجعت، عدت میں ہوتی ہے بس اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ عضل کے معنی روکنے کے آتے ہیں بلکہ کسی کو زبردستی روکنا اور منع کرنا اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہے آیات کا حاصل یہ ہوا کہ لڑکی جس لڑکے سے بخوشی شادی کرنا چاہتی ہے اور وہ نکاح اس کے حق میں مفید بھی ہے تو اس میں اعزہ واقارب رکاوٹ نہ بنیں۔

یہی وہ آیات ہیں جن کے پیش نظر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ لڑکی اپنے طور پر نکاح کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ نکاح کسی حیثیت سے خاندانی عزت و وقار کے منافی نہ ہو۔ ان آیات میں ظاہر ہے کہ مخاطب وہی اقربا ہیں جو لڑکیوں کو بلا وجہ عدت کے بعد اپنا پسندیدہ نکاح کرنے سے روکتے ہیں۔ یہاں اس شخص کو جس سے لڑکی نکاح کرنا چاہتی ہے "شوہر" کے لفظ سے تعبیر کیا حالانکہ ابھی وہ شوہر کہاں ہوا؟ ابھی تو نکاح بھی نہیں ہوا کہ اس کو شوہر کہا جا سکے یہ تعبیر محض مستقبل کے اعتبار سے ہے کہ لڑکی اس کے ساتھ نکاح کا ارادہ کر چکی تو اب وہ اس کا شوہر بن ہی جائے گا۔ بالمعروف کی قید آیات میں نہایت اہم اور قابل غور ہے کیونکہ ان الفاظ نے واضح کر دیا کہ لڑکی کے پسندیدہ نکاح میں اسی وقت رکاوٹ نہ ڈالنے کا حکم ہے جبکہ یہ نکاح، جائز حدود میں خاندانی وقار، خوشگوار مستقبل کے یقینی تصورات کے ماتحت ہو۔ محض چند ہیجانی جذبات اور فوری کچے فیصلوں کے ماتحت نہ ہو فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر لڑکی کسی ایسے لڑکے سے نکاح کرنا چاہتی ہے جو حسب ونسب کے اعتبار سے لڑکی کے خاندان کے لیے کھلی اہانت ہے یا لڑکی ایسے مہر پر نکاح کرنا چاہتی ہے جو مقدار لڑکی کے خاندان کے لیئے باعث توہین ہو تو لڑکی کے والدین اور دوسرے شرعی اولیاء کو پورا پورا حق ملے گا کہ وہ لڑکی کے اس دل پسند نکاح کو نہ ہونے دیں، فرمایا کہ یہ حکم کہ لڑکی کے پسندیدہ نکاح میں حائل نہ ہو خصوصی طور پر اس کے مخاطب وہی ہیں جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ حکم بڑے دور رس فوائد کا حامل ہے لیکن ان اہم مصالح کو تم نہیں جانتے خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں۔[۵]

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں یہ مدت اس کے لیئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا

الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

چاہے اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق

[۵] ان آیات میں موجودہ وقت کے ان دل پسند نکاحوں کی شرعی اجازت کا ہرگز ہرگز جواز موجود نہیں جو کالجوں، ہوٹلوں اور ناپاک ماحول میں معاشقہ، ناجائز تعلقات کی پیداوار ہوتے ہیں، جن میں نہ قومیت کا تحفظ ہوتا ہے اور نہ شرعی حدود وقیود کا، وہ نتیجہ ہوتے ہیں جذباتی ہیجانات، بے حیائی اور معاشرہ کی ہلاکت انگیز غلط تہذیب وتمدن کا۔ ایسی شادیوں پر نہ صرف اولیاء کو روک دینے کا حق بلکہ نہ روکنا ایک بڑا گناہ ہوگا، آیات میں صرف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لڑکی کے لیئے اپنے طور پر نکاح کی اجازت ہے ورنہ باقی ائمہ لڑکی کو اس طرح پر نکاح کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنے اولیاء سے بالا بالا خود اپنا نکاح رچالے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ نے بھی (باقی بر صفحہ آئندہ)

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ

کسی شخص کو (خدا کی طرف سے کوئی) حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق۔ کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیئے اُس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ

بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ

کو تکلیف دینی چاہیئے اُس کے بچہ کی وجہ سے اور (اگر باپ زندہ نہ ہو تو) مثل طریق مذکور کے (بچہ کی پرورش) اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو۔ پھر اگر دونوں

تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا

(دو سال سے کم میں) دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور مشورہ سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو کسی اور انّا کا دودھ

اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ

پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ ان کے حوالے کردو جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے قاعدہ کے موافق

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

اور حق تعالیٰ سے (سب احکام میں) ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کیئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں

اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں پورے دو سال یہ مدت اس کے لیئے ہے جو رضاعت کی تکمیل کرنا چاہتا ہے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق۔ ہم کسی کو حکم اس کی برداشت سے زیادہ نہیں دیتے (اس لیئے) نہ کسی ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ بچہ کی وجہ سے باپ کو تکلیف میں ڈالا جائے اور اسی طرح کا انتظام (وارث) کے ذمّہ بھی ہے پھر اگر دونوں اپنی باہمی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑا دینا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تم لوگ اپنے بچّوں کو کسی اور (انّا) کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم ان کے حوالہ کردو جو انھیں دستور کے موافق دینا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا خوب دیکھنے والا ہے۔

شیر خوارگی اور اس کے احکام

اگرچہ خدا تعالیٰ نے اس موقع پر کلام، خبر کی صورت میں فرمایا ہے لیکن دراصل یہاں ”حکم“ مراد ہے بلکہ اس حکم کی اہمیت و اہتمام پیش نظر ہے، جیساکہ ”یتربصن“ میں تربص (انتظار) کا حکم تھا اگرچہ کلام بظاہر، خبر کی صورت و شکل میں نہیں کیا گیا تھا۔ فقہاء نے کہا کہ ماں کو دودھ پلانے کا حکم استحبابی ہے یعنی پلائے تو اچھا ہے اور نہ پلائے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر بچہ کسی کا دودھ سوائے ماں کے پیتا نہیں یا باپ کے لیئے دوسری عورت بطور انّا رکھنے کی قدرت نہیں یا شہر میں کوئی انّا ملتی ہی نہیں، ان تمام صورتوں میں پھر ماں کے لیئے واجب ہوگا کہ وہ بچہ کو دودھ پلائے، کیونکہ اصل مقصود بچہ کی جان بچانا ہے۔ اس لیئے ان تمام صورتوں میں ماں پر دودھ پلانا واجب ہو جائیگا جن صورتوں میں بچہ کی جان جانے کا خطرہ ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہاں والدات سے، مطلقہ عورتیں مراد ہوں اور ان کے نان و نفقہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس اجازت کو اتنی شرائط کے ساتھ مقید کر دیا کہ یہ اجازت، فائدہ اس سے اٹھانا ممکن نہیں رہا۔

کا شوہر کے ذمہ واجب ہونا اسی لیئے ہو کہ وہ نکاح سے تو نکل چکیں اب جب وہ بچہ کو دودھ پلائیں گی تو ظاہر ہے کہ ان کے اخراجات ان بچوں کے والد پر عائد ہوں گے، یہ ہم اس لیئے کہہ رہے ہیں کہ اگر عورت نکاح میں ہے تو اس کا نان و نفقہ شوہر کے ذمہ پہلے ہی سے چلا آتا ہے بچہ کو دودھ پلانا اور نہ پلانا اس معاملہ میں اثرانداز نہیں اور یہاں نان و نفقہ کے وجوب کی بنیاد خدا تعالیٰ، دودھ پلانا ذکر فرما رہے ہیں اس لیئے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ غالباً والدات سے مطلقہ عورت مراد ہے۔

عورت کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ دو سال مکمل دودھ پلائے "کاملین" کے لفظ سے اس مدت کی تاکید کی گئی کیونکہ عام طور پر کم مدت کو بھی ایک کامل مدت سے تعبیر کر دینے کی عادت ہے مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے پاس ڈیڑھ پونے دو سال ٹھہرا ہو پوچھنے پر وہ کہہ دیتا ہے کہ دو سال قیام کیا۔ خدا تعالیٰ نے "کاملین" کی قید بڑھا کر اشارہ فرمایا کہ یہ مدت بالکل پوری ہونی چاہیئے اس میں کمی و بیشی ہرگز نہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ یہ حکم دو سال کی مدت کو پوری کرنے کا ان کے لیئے ہے جو مدت رضاعت کو مکمل کرنا چاہتے ہوں کیونکہ رضاعت کی مدت پورے دو سال ہے۔

مسائل و احکام آیات سے یہ چند مسائل مفہوم ہوتے ہیں (۱) والد پر واجب ہے کہ بچہ کے دودھ کا انتظام کرے ماں کے لیئے بچہ کے دودھ کا انتظام یا خود پلانا کچھ بھی ضروری نہیں (۲) باپ کے ذمہ ہے کہ وہ بچہ کے لیئے انّا کا انتظام کرے ہاں اگر ماں بخوشی دودھ پلانے کے لیئے تیار ہو تو فبہا۔ لیکن اس کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، (۳) ماں جب تک بچہ کے باپ کے نکاح میں ہے اس کے شوہر سے دودھ پلانے کی اجرت لینا ہرگز مناسب نہیں اسی طرح اگر شوہر نے اس کو طلاق دیدی لیکن وہ ابھی عدت گذار رہی ہے تو زمانہ عدت میں بھی وہ بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور وجہ یہ ہے کہ نکاح یا عدت کے زمانہ کے تمام اخراجات شوہر کے ذمہ ہیں یہی اخراجات رضاعت کے لیئے بھی کافی سمجھے گئے اس لیئے اجرت نہ لینے کا عورت سے مطالبہ کیا گیا،

پھر ارشاد ہے کہ جب کوئی بچہ کو دودھ پلائے تو اس شخص پر جس کا یہ بچہ ہے دودھ پلانے والی کا نان و نفقہ بلکہ لباس پوشاک کا انتظام بھی واجب ہوگا۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے "له" میں ضمیر "المولود" کے لام کی جانب لوٹتی ہے اور یہ لام "الذی" کے معنی میں ہے۔ عبارت یہ ہوگی "وعلی الذی یولد له" اور اس سے مراد والد ہے نیز یہ فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے جیسا کہ مغضوب علیهم میں علیهم محل رفع میں ہے۔

نکتہ یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک سیدھی سادی تعبیر یعنی والد او باپ کے لفظ کو چھوڑ کر ایک الجھی ہوئی بات یعنی "جس کا بچہ ہو" کیوں اختیار کی؟ صرف یہ بتانے کے لیئے ایک سادہ عبارت پر اس پیچ تعبیر کو ترجیح دی گئی کہ بچہ کا اصل تعلق باپ سے ہے نہ کہ ماں سے چنانچہ از روئے شریعت نسب میں بھی اعتبار باپ ہی سے ہوتا ہے ماں سے نہیں ہوتا اس لیئے باپ ہی کے ذمہ ہوگا کہ وہ ان عورتوں کے کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس و پوشاک کا انتظام کریں جو ان کے بچہ کو دودھ پلا رہی ہیں مثلاً اگر ماں کسی معقول وجہ پر دودھ پلانے سے انکار کر دے تو باپ انّا کا انتظام کرے گا یا نہیں اور انّا کے تمام اخراجات اسی کے ذمہ ہوں گے اسی حقیقت کی نشاندہی قرآن مجید کو مقصود ہے ورنہ تو عام مواقع پر قرآن مجید نے والد ہی کا لفظ استعمال کیا ہے مثلاً ایک آیت میں ہے کہ "واخشوا یوماً لایجزی والد عن ولده ولا مولود هو جاز عن والده شیئاً"

خدا تعالیٰ نے اگرچہ باپ کو پابند کیا ہے کہ وہ دودھ پلانے والے کے لیئے جملہ انتظامات کرے لیکن ساتھ ہی "قاعدہ

اور دستور کے موافق،، کی شرط بھی ذکر فرمادی مطلب یہ ہے کہ نہ یہ شخص ان انتظامات میں غیر ضروری بخل کا مظاہرہ کرے اور نہ عورت ہی فضول خرچی بلکہ شاہ خرچی کے لیئے اس شخص سے مطالبہ کرے اس کی مزید تفصیل بعد میں ان الفاظ میں آگئی کہ کسی شخص کو اس کی قدرت و وسعت سے زیادہ مکلف اور پابند نہیں کیا جاتا چناں چہ اس عام قانون کو سامنے رکھو اور ماں کو محض اس کے ماں ہونے کے جرم میں کوئی سزا نہ دو مثلاً تم یہ سمجھو کہ یہ ماں ہے شفقت مادری کی وجہ سے خود وہ بچہ کے دودھ وغیرہ کا انتظام کرے، خواہ میں اس کے لیئے کوئی انتظام کردں یا نکردں بچہ اس کو دوں یا نہ دوں یہ اپنی محبت سے مجبور ہے بچہ کی نگہداشت کرے، کتنا بُرا جذبہ ہے یہ، کیا ماں کو اس کے ماں ہونے پر یہ کڑی اور سخت سزا دینا مناسب ہے؟ یا ماں دودھ پلانا چاہتی ہے لیکن بلا وجہ اس سے بچہ کو چھیننا اور اس طرح اس کو تڑپانا یہ بھی شرعاً قطعاً ممنوع ہے۔ اور ایسے ہی عورت کے لیئے ممانعت ہے کہ وہ باپ کو محض باپ ہونے کی سزا دے، مثلاً سوچ لے کہ یہ بھی بہر حال بچہ کا باپ ہے۔ اپنی شفقت کی وجہ سے خود وہ دودھ پلانے والی کا انتظام کرے گا۔ میں کیوں دودھ پلاؤں، یا جب دیکھے کہ بچہ اس سے خوب مانوس ہوگیا اور کسی دوسرے کا دودھ پیتا نہیں تو اس کے باپ سے دوسری عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ اجرت کا وہ مطالبہ کرنے لگے، یا بچہ کے باپ سے بہترین کھانے اور کپڑے کا مطالبہ کرے۔

حاصل یہ ہے کہ ان آیات میں شوہر اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے پر معاملات میں، زیادتی کرنے کی شدید ممانعت ہے' آیت کے آخر میں بچہ کا تعلق یہ ارشاد فرماکر" ولا مولود له بولده "، ماں کے ساتھ بھی قائم کردیا گیا یہ ایک نہایت اہم مصلحت کی وجہ سے مصلحت یہ ہے کہ جب ماں کو روکا گیا کہ وہ بچہ کی وجہ سے شوہر کو پریشان نہ کرے تو اس کو سمجھایا گیا کہ یہ بچہ آخر تیرا بھی تو ہے اس کی پرورش کی تمام ذمہ داریاں تو شوہر پر کیسے ڈال رہی ہے، ماں کے قلب میں بچہ کے لیئے پر از محبت جذبات پیدا کرنے کے لیئے "ماں"، کا عنوان کیسی نفسیاتی تعبیر ہے، "ارے ماں ہو ماں" یہ کہیئے اور عورت سے بچہ کے لیئے جو چاہے کرا لیجئے واقعہ یہ ہے کہ ایسی مناسب، برجستہ تعبیرات سوائے خدا تعالیٰ کے کلام میں اور کہاں مل سکتی ہیں۔

ایک اور مسئلہ فرماتے ہیں کہ" اور اگر باپ زندہ نہ ہو۔ اور بچہ کی پرورش، اس کو دودھ پلانے کا کام ماں انجام دے رہی ہو تو پھر اس عورت کے تمام اخراجات انہی دستور اور قاعدہ کے مطابق ان لوگوں کے ذمہ ہوں گے جو اس بچہ کے وارث شرعی ہیں۔ شرعی وارث کون ہو سکتا ہے؟ فقہا اس میں کافی اختلاف رکھتے ہیں۔ فقیہ ابن ابی لیلیٰ کے خیال کے مطابق ہر وہ وارث جو وارث کسی بھی درجہ میں ہو اس حکم کا مخاطب ہے لیکن احناف کے یہاں اس کا وارث صرف ذی رحم وارث مراد ہے یعنی جس سے اس بچہ کا نکاح شرعاً حرام ہو۔ احناف کی ایک بڑی دلیل اس سلسلہ کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرارت ہے ان کی قرارت کے الفاظ یہ ہیں کہ" وعلی الوارث ذی الرحم المحرم "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کے تمام ورثاء مراد نہیں بلکہ ذی رحم محرم ہی مراد ہیں، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باپ کے سوا بچہ کی رضاعت کے زمانہ کا ماں کے لیئے خرچ کسی بھی وارث پر واجب نہیں نہ ذی رحم ورثہ پر اور نہ ہی عام وارثین پر۔

دودھ چھڑانے کا ارادہ فرماتے ہیں کہ اگر ماں اور باپ مشورہ اور باہمی رضا سے بچہ کا دودھ چھڑانا چاہتے ہوں تو کوئی حرج نہیں خواہ دو سال سے کم مدت میں ایسا کر رہے ہوں یا دو سال مکمل ہو جانے کے بعد گویا کہ اس نئے حکم سے اس پابندی کو ختم فرمادیا جو پہلے شوہر اور بیوی پر عائد کی گئی تھی جس کی رو سے مکمل دو سال پلانا ضروری معلوم ہوتا تھا۔ "تشاور" کا ماخذ "شور" ہے جس کے معنی شہد کی مکھیوں کے چھتہ سے شہد نکالنے کے آتے ہیں

اہل عرب کہتے ہیں کہ "شرت العسل" یعنی میں نے چھتے سے شہد نکالا اور ظاہر ہے کہ شہد حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں لیکن ابتدائی مشکلات کو جھیلنے کے بعد پھر شہد جیسی قیمتی چیز حاصل ہوتی ہے ایسے ہی مشورہ میں اگرچہ دشواریاں پیش آتی ہیں کیونکہ ہر شخص چاہتا ہے کہ میری بات مانی جائے لیکن جو بات مشورہ کے بعد سامنے آتی ہے، ہوتی ہے وہ بہت مفید اور قیمتی۔ دودھ چھڑانے کے معاملہ میں شوہر اور بیوی کے مشورہ اور نہ صرف مشورہ بلکہ اس معاملہ پر خوب غور و فکر کے بعد بالکل اتفاق اس لیئے ضروری قرار دیا گیا کہ بہرحال بچہ کے اہم مصالح پیش نظر ہوں، ذاتی مصلحتیں یا اپنی خواہشات کو سامنے رکھ کر بچہ کو ہرگز کسی ہلاکت میں نہ ڈالا جائے۔

عظیم ذات، والاصفات، معبود برحق اور حکیم علی الاطلاق کا ماں کا خیال، باپ کا فکر، بچہ پر نظر، باپ کے حقوق، ماں کی محبت اور بچہ کے لیئے اس کی تڑپ سب باتوں کا کتنا مکمل لحاظ فرمایا پورے قوانین پر ایک مکمل نظر ڈال جائیے کہیں بھی کوئی کوتاہی تو درکنار، کسی کا حق بھی سلب ہوتا ہوا نظر نہیں آئے گا، واقعی قانون میں یہ جامعیت، یہ ہمہ جہتی سوائے خدا تعالےٰ کے اور کسی مقنن کے یہاں کا ہے کو ملنے لگی۔

انّا سے دودھ پلوانے کے مسائل

ارشاد ہے کہ اگر تم ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت (انّا) سے بچہ کو دودھ پلوانا چاہتے ہو اور ظاہر ہے کہ یہ ضرورت اسی وقت پیش آئے گی جب ماں خود بچہ کو دودھ پلانے سے انکار کر دے یا ماں کسی وجہ سے دودھ پلانے سے عاجز ہو تو انّا کا انتظام کر لینا چاہیئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہاں انّا سے دودھ پلانے کی جو اجرت طے کی ہو وہ اس کو پوری پہنچانا ضروری ہے۔ ان آیات میں انّا کی اجرت کے متعلق جو خدا تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس کی اجرت اس کو ملنا چاہیئے یہ شرط معاملہ کی ابتداء میں مستحب ہے لیکن معاملہ اس شرط پر موقوف نہیں ہوگا فقہاء یہی کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان تمام معاملات میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا اور ہر قدم پر یہ یقین رکھنا کہ خدا تعالیٰ تمہارے تمام اعمال پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے ہیں ان سے کوئی بات پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے۔[ف]

ف یہ آیات بچہ کو دودھ پلانے کے احکام سے تعلق رکھتی ہیں اور سابقہ مضامین سے ان کا ربط و مناسبت یہ ہے کہ اوپر سے طلاق اور عورت کی مرد سے علیحدگی کے مسائل زیر بحث تھے ظاہر ہے کہ میاں اور بیوی میں تفریق کے بعد سب سے زیادہ بُرا حشر بچہ ہی کا ہوتا ہے، باپ اس کو اپنے لیئے ایک بار سمجھتا ہے اور ماں بھی تفریق و طلاق کے بعد اس کی تربیت و پرورش کے فریضہ کو کسی خوش اسلوبی سے ادا کرنے کے لیئے نفسیاتی طور پر خود کو تیار نہیں کر سکتی، ایسی حالت میں نہایت ضروری تھا کہ بچہ کی حفظ و نگہداشت کے لیئے حضرت حق جل مجدہٗ تفصیل سے قوانین مرتب فرمائیں اور ان کی پابندی اور ان پر عمل کرنے کے لیئے حکم فرمائیں، آیات میں دودھ پلانے کا سب سے پہلا حق ماں ہی کو دیا ہے طبی طور پر بھی بچہ کے لیئے اپنی ماں کا دودھ جس قدر مفید ہوتا ہے اتنا نہ کسی دوسری عورت کا فائدہ بخش، اور نہ کسی جانور کا، ظاہر ہے کہ ماں کے پیٹ میں جو خون بچہ کی غذا تھی اور جس کی خوگر اس کی طبیعت ہو چکی۔ ماں کے پیٹ سے جُدا ہونے کے بعد یہی خون دودھ کی شکل میں اس بچہ کی غذا بن جائے گی گویا کہ اول و آخر میں اس کو وہ غذا ملی جس کا وہ عادی ہو چکا اس لیئے ماں کے دودھ سے اس کو کوئی نقصان نہیں بلکہ جسم و صحت میں مفید نشو و نما اور اضافہ ہوگا۔ اطباء نے یہ بات بھی واضح طور پر لکھی ہے کہ بچہ پر دودھ پلانے والی کے اثرات بڑی قوت کے ساتھ مرتب ہوتے ہیں اس لیئے دودھ پلانے والی کا انتخاب بڑی سمجھ کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ دودھ پلانے والی کی شکل و صورت تک سے بچہ متاثر ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بچہ ماں کی صورت پر جا پڑتا ہے ظاہر ہے کہ جب ظاہری شکل و صورت میں بچہ (باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مرضعہ، دودھ پلانے والی کی اتباع کرتا ہے تو عقل وذہن، طبیعت ومزاج، عادات واخلاق میں تو اس کے انداز پر ہونا بہت ہی قریب اور متوقع ہے۔ اس لیے اس انتخاب میں کسی کوتاہی اور فروگذاشت سے ہرگز کام نہ لینا چاہیے۔

امام الحرمین عبدالملک جوینی کے متعلق "المنار" میں لکھا ہے کہ ان کے والد نے ایک جاریہ نہایت حسین وجمیل، ذکی وذہین، مہذب اور خوش اطوار خریدی اور بڑے اہتمام کے ساتھ ان کو اپنے ساتھ رکھا، جب ان کو حمل ٹھہرا تو انھوں نے پوری مدت اس بات کا خیال رکھا کہ کوئی بات ایسی نہ ہونے پائے جس کی وجہ سے بچہ کے عادات واخلاق پر برا اثر پڑے تاآنکہ اس زمانہ میں "رزقِ حلال" کا بھی سخت اہتمام رہا، امام الحرمین پیدا ہوئے، ایک دن ان کی والدہ کی طبیعت خراب تھی، محلہ پڑوس سے ایک عورت آگئیں اور جب یہ بچہ رو رہا تھا اور ماں اپنی علالت کی وجہ سے اس کو دودھ نہیں پلا سکتی تھیں تو محلہ کی اس عورت نے اٹھا کر اپنا دودھ پلا دیا۔ اسی دوران میں باہر کو امام الحرمین کے والد بھی آگئے انھوں نے جو ایک اجنبی عورت کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھا تو بچہ کو چھین کر، انگلی حلق میں ڈال کر زبردستی تمام دودھ نکلوا دیا کہتے جاتے کہ یہ بچہ مرجائے تو مجھے اس کا افسوس نہ ہوگا لیکن یہ سخت افسوس کی بات ہوگی کہ بچہ کو دودھ پلانے والی کے برے اخلاق سے میں متصف پاؤں، کہتے ہیں کہ بڑا ہو کر یہ بچہ امام الحرمین کے نام سے مشہور ہوا اور دنیا نے اس کو علم و کمال، فضل وجامعیت کی اقلیم کا تاجدار تسلیم کیا لیکن کبھی درس کی مجلس یا عام اجلاس میں امام الحرمین پُرزور تقریر کرتے ہوئے اچانک رک جاتے اور ان کی زبان میں لکنت پیدا ہو جاتی باپ یہ منظر دیکھتے اور حسرت سے کہتے کہ "یہ اسی دودھ پلانے والی کے باقی دودھ کا اثر ہے جو قے کرانے کے باوجود پیٹ میں رہ گیا تھا۔" (المنار جلد ۲ صـ ۴۱۷)۔

بہرحال دودھ اور اس کے اثرات قدیم اور جدید دونوں طب میں مسلّم ہیں اور ضرورت ہے کہ اس کے اہتمام میں شدید احتیاط کی جائے۔ بات یہ چل رہی تھی کہ دودھ پلانے کا اصل حق شریعت نے ماں ہی کو دیا ہے۔ جصاص میں بھی ہے کہ "یجعل الام احق برضاع الولد ھذہ المدۃ"۔ الوالدات سے فقہاء اور مفسرین نے عام ماں مراد لی ہے خواہ وہ ماں ابھی بچہ کے باپ کے نکاح میں ہو یا بچہ کے باپ کے نکاح سے طلاق وغیرہ کی بناء پر نکل چکی ہو۔ تمام فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ماں پر یہ ہرگز واجب نہیں کہ وہ بچہ کو دودھ پلائے ہاں اس کے حق میں مستحب ضرور ہے کہ وہ بچہ کے دودھ پلانے کے معاملہ میں پیش قدمی کرے، لیکن اگر بچہ کے لیے کبھی دودھ ماں ہی کا ضروری ہو جائے مثلاً بچہ کو دوسری عورت یا جانور کا دودھ موافق نہیں آتا، یا باپ اپنی غربت وافلاس یا کسی اور بناء پر دودھ پلانے والی کا انتظام نہیں کر سکتا تو اب ماں پر دودھ پلانا واجب ہو جائے گا۔ **حولین کاملین** یعنی دو سال کی مکمل مدت، دودھ کی مدت ہے اس مدت کی صحت پر اطباء بھی اتفاق کرتے ہیں خدا تعالیٰ نے اس مدت کو ذکر کرنے کے بعد خود ہی ارشاد فرمایا کہ اگر ماں باپ اس سے کم مدت میں باہمی مشورہ اور رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں تو چھڑا سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدت میں کمی وبیشی ہو سکتی ہے کمی کا یہاں ذکر آیا اور اضافہ کا ایک دوسرے موقع پر۔ اس لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مدت میں اضافہ کی بھی گنجائش رکھی، حیرت ہے کہ صاحب المنار علامہ رشید رضا نے اس موقع پر فقہاء پر یہ کیسے اعتراض کر دیا کہ مدت کی اس صریح تعیین کے باوجود فقہاء کیسے تعیین مدت میں اختلاف کر رہے ہیں؟۔

پھر کیونکہ دودھ پلانے کے زمانہ کے تمام اخراجات، براہِ راست باپ کے ذمّہ آتے ہیں اور باپ کی مالی واقتصادی حالت کبھی تو عورت کے مناسب حال ہوتی ہے اور گاہے اس کی معاشیات عورت کے واقعی اخراجات کی متحمل نہیں ہو سکتیں اس لیے خدائے تعالیٰ نے آنے والے مسائل سے پہلے بطور قانون فرمایا کہ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ کسی امر کا پابند نہ کیا جائے نہ ماں پر بچہ کی شفقت ناقابل تحمل بوجھ کا باعث بنے اور نہ باپ شفقتِ پدری کی وجہ سے ناقابلِ برداشت (باقی برصفحہ آئندہ)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ

اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

رکھیں چار مہینے اور دس دن پھر جب اپنی میعاد (عدت) ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا

فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

ایسی بات (کے جائز رکھنے) میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لیے کچھ کارروائی (نکاح کی) کریں قاعدے کے موافق۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ

رکھتے ہیں۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو اُن مذکورہ عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں

فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ

(ارادۂ نکاح کو) پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم اُن عورتوں کا (ضرور) ذکر مذکور کرو گے لیکن ان سے (صاف لفظوں میں)

(حاشیہ متعلقہ صفحہ گذشتہ) ذمہ داریوں میں الجھا دیا جائے۔ ان مسائل کو صاحب مدارک نے بھی تفصیل سے ذکر کر دیا جو ماں اور باپ کے لیے پریشان کن ہو سکتے ہیں قرآن مجید نے اس موقع پر والد کی صاف تعبیر کے بجائے المولود لہ کا جو لفظ اختیار فرمایا مدارک میں اس سے متعلق کافی تفصیل آگئی ہاں قرآن مجید نے بچہ کی رضاعت کے زمانہ کے جو اخراجات براہ راست باپ پر یا پھر بچہ کے وارث پر، باپ نہ ہونے کی صورت میں ڈالے ہیں ان کے متعلق پوری وضاحت کر دی گئی کہ وہ دستور اور عام رواج کے مطابق ہونے چاہئیں، نہ عورت مرد کی حیثیت سے زیادہ مطالبہ کرے اور مرد اپنی واقعی حیثیت سے گر کر محض عورت کو پریشان کرنے یا اس کو کم حیثیت قرار دیکر دینے لینے میں کمی نہ کرے، گویا کہ "بالمعروف" کا حکم وہی حکم کہ شوہر اور بیوی دونوں ایک دوسرے کے لیے ضرار (نقصان کی صورت سے احتراز کریں شاخ اور شعبہ ہے، فقہاء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اس معاملہ میں مرد کی آمدنی اور اس کی معاشیات کا لحاظ رکھا جائے گا عورت کی حیثیت معتبر نہ ہوگی۔ جصاص میں ہے کہ " یدل علی ان الواجب من النفقۃ والکسوۃ ھو علی قدر حال الرجل فی اعسارہ و یسارہ"۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی رضاعت کے تمام اخراجات باپ ہی کے ذمہ ہیں لیکن اگر باپ موجود نہ ہو تو پھر تفصیل ہے اگر بچہ اتنے مال کا مالک ہے جس سے مرضعہ کے اخراجات چل سکیں تو بچہ ہی کے مال میں سے یہ اخراجات وصول کیے جائیں گے اور اگر بچہ کے پاس مال موجود نہیں تو پھر بچہ کے ان رشتہ داروں سے جن سے اس بچہ کا نکاح حرام ہو یعنی اس کے محرم رشتہ داروں سے اخراجات وصول کرائے جائیں گے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ بچہ کے ساتھ شفقت اور محبت کا جو تعلق ماں کو ہوتا ہے وہ باپ کو نہیں ہوتا اس لیے قرآن مجید نے دودھ چھڑانے کے باب میں صرف باپ کی رائے پر اعتماد نہیں کیا بلکہ ماں کے مشورہ اور رضامندی کو بھی ضروری قرار دیدیا افسوس کہ جدید تہذیب نے عورت کو سمجھایا کہ دودھ پلانے سے اس کی صحت خراب ہو گئی اور یورپ نے اس کا وہ پروپیگنڈہ کیا کہ نئی تعلیم یافتہ لڑکیاں اب بچہ کو دودھ پلانے سے پوری جان چراتی ہیں۔ ماں کے دودھ نہ ملنے سے بچہ کی صحت پر جو ناخوشگوار اثرات ہوتے ہیں آج کل کی بیماریاں اور جسمانی صحت کا ان کا مقابلہ نہ کرنا اگر تحقیق (باقی بر صفحہ آئندہ)

سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ

نکاح کا وعدہ (اور گفتگو) مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات قاعدہ کے موافق کہو اور تم تعلق نکاح کا (فی الحال) ارادہ بھی مت کرو یہانتک کہ عدت مقررہ

الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ

اپنی ختم کو نہ پہنچ جاوے اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع تمہارے دلوں کی بات کی ہے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○

اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں۔ حلیم بھی ہیں

"اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینہ اور دس دن تک (نکاح ثانی سے) روکے رکھیں پھر جب یہ مدت پوری ہو جائے تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے بارے میں کوئی (اقدام) شرافت کے ساتھ کریں اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے اور تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں کہ تم ان عورتوں سے (جو ابھی عدت میں ہوں) نکاح کے پیغام کے بارہ میں اشارۃً کنایۃً کوئی بات کہو یا پھر (ان سے نکاح کا ارادہ) دل ہی میں رکھو، اللہ کو علم ہی ہے کہ تم ان عورتوں کا ذکر مذکور کرو گے البتہ ان سے کوئی وعدہ خفیہ بھی نہ کرو مگر کوئی بات عزت و حرمت کے موافق کہنا چاہو تو کہہ سکتے ہو اور نکاح کا ارادہ اس وقت تک ہرگز نہ کرنا جب تک کہ عدت ان کی ختم نہ ہو جائے۔ اس بات کا یقین رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور یہ بھی یقین رکھو کہ اللہ بخشنے والا ہے بڑا بردبار ہے۔"

بیوہ عورت اور اس کی مدتِ عدت

عربی زبان میں وفات کا لفظ کسی چیز کو پوری طرح لینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے وفی سے ماخوذ ہے جس کے معنی "مکمل ادائیگی" کے ہیں۔ وفات (موت) کے معنی میں اس لئے استعمال ہے کہ اس میں روح جسم سے کامل طور پر بحکم خدا فرشتۂ اجل نکال لیتا ہے۔ اہل عرب کہتے کہ توفیتہ اور استوفیتہ، جب کسی چیز کو پوری طرح لے لیا جائے، مسئلہ یہ بیان ہو رہا ہے کہ جب شوہر مر جائے اور اس کی بیوی رہ جائے تو اس عورت کو عدت گذارنا ہے اس عدت کی مدت چار ماہ اور دس دن ہیں اس مدت میں عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی، ان چار ماہ میں فقہاء کی تصریح کے مطابق راتیں بھی داخل ہیں، اور جب یہ عدت پوری ہو جائے تو یہ عورتیں اپنے نکاح کے سلسلے میں کوئی اقدام کر سکتی ہیں، ہاں اس کارروائی میں شرافت و حیا مروت و انسانیت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ حکام کو اشارہ دیا گیا کہ اگر وہ عورت کی یہ کارروائی شریعت کے احکام کے مطابق پائیں تو پھر کوئی حائل نہ ہو لیکن اگر عورت کوئی ایسا اقدام کرتی ہے جو براہ راست قانون شریعت سے متصادم ہے تو

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ گذشتہ) خاص اس نقطۂ نظر سے کی جائے کہ ماں کا دودھ نہ ملنے کی وجہ سے کیا نتائج سامنے آئے تو اس باب میں ہولناک نتائج کا ایک دفتر تیار ہو جانا بعید نہیں ہے۔ (مترجم)

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس پر مواخذہ کرے اور ناکردنی حرکات سے اس عورت کو روک دے، خود عورت اور اوپر والے اشخاص کو بتایا کہ اپنے تمام معاملات میں یہ یقین رکھو کہ جو کچھ کر رہے ہو اس سے علیم وخبیر خوب واقف ہے اس لیئے تمہارے تمام اعمال پر مناسب سزا و جزا ضرور ملے گی (محاسبہ کا یہ حکم انسانی اعمال کو درست لائنوں پر لگانے کے لیئے بہت ہی مناسب اور بروقت ہے)

پیغام نکاح اور اس کی شرائط

فرماتے ہیں کہ زمانہ عدت میں اگر کوئی شخص عورت کو نکاح کا پیغام دینا چاہے تو صاف صاف نہیں بلکہ اشارۃً وکنایۃً اس طرح کی بات ہو سکتی ہے، فقہا نے لکھا ہے کہ مثلاً عورت کے پاس پہونچ کر کہا جائے کہ تم بہت حسین ہو، حسن وجمال میں کوئی تمہاری نظیر نہیں، تم کیسی نیک ہو میں چاہتا ہوں کہ میرا نکاح تمہارے اوصاف واخلاق ایسی حامل عورت سے ہو، عورت ان باتوں سے سمجھ جائے گی کہ آپ کا کیا مطلب ہے اور یہ خطرہ باقی نہ رہے گا کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے، لیکن اس کی قطعاً اجازت نہیں کہ صاف صاف اس سے نکاح کے باب میں بات چیت کی جائے علماء بیان ومعانی، تعریض اور کنایہ میں فرق کرتے ہیں کنایہ میں الفاظ ایسے معنیٰ میں استعمال کیئے جاتے ہیں جن معنی کے لیئے وہ لفظ وضع نہیں کیئے گئے تھے اور تعریض، ایک چیز ذکر کی جاتی ہے اور یہ ایک ایسی چیز پر دلالت کرتی ہے جو مذکور نہیں۔ مثلاً ایک ضرورت مند، ایک صاحب خیر کے یہاں پہونچتا ہے جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیوں آئے ہو؟ تو کہتا ہے کہ آپ کو سلام کرنے کے لیئے حاضر ہو گیا۔ (رئیس وکریم اسی سے اس کے آنے کا مقصد سمجھ لیتا ہے مشہور ہے "سلام روستائی بے سبب نیست)۔

عربی کے ایک شاعر نے کہا ہے کہ اے ممدوح میں آپ کو سلام کرنے حاضر ہوا ہوں اور میری طرف سے یہی بڑا تقاضہ ہے اس وعدہ کے ایفاء کا۔ جو آپ نے مجھ سے کیا تھا بہرحال بات کرنا کچھ اور مقصد کچھ اور ہو۔ فرماتے ہیں کہ اچھا تو یہی ہے کہ عدت کے زمانہ میں عورت سے کوئی گفتگو نہ کرو بلکہ اپنا ارادہ اپنے دل ہی میں رکھو خدا تعالیٰ بہرحال جانتا ہے اور انشاء اللہ وقت آنے پر وہ مفید وسائل پیدا کر دیگا جس سے تمہارا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور عورت کو بلا وجہ ایک بُری ترغیب کا تمہاری طرف سے ارتکاب بھی نہو۔ لیکن یہ قطعاً جائز نہیں کہ عورت سے، عدت کے زمانہ میں کوئی خفیہ معاہدہ عدت کے ختم ہونے کے بعد تم سے نکاح کا ہو، اجازت، مناسب جائز حدود میں شریعت کے حکم کے مطابق، اشارتاً وکنایتہً بات چیت کی ہے۔ یہ خفیہ دوستیاں اور معاہدہ شریعت کی پاکیزہ چتون پر ایک ناگوار شکن ہے۔ اس لیئے جب تک عورت عدّت میں ہے نکاح کا تو ارادہ بھی نہ کرنا چاہیئے، بلاغتِ قرآنی کہ ارادہ اور عزم تک کی ممانعت کردی نکاح تو درکنار، ارادہ نکاح بالکل عزم کے درجہ میں سو اس کی بھی ممانعت آگئی۔ لغوی حیثیت سے لفظ عزم میں قطع کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ "لاصیام لمن لایعزم الصیام من اللیل" یعنی اس شخص کا روزہ نہیں جو رات کے وقت میں بھی روزہ رکھے اور روزہ کا سلسلہ نہ توڑے۔ بہرحال تا وقتیکہ عدت کی مدت پوری نہ ہو جائے نکاح نہیں کیا جا سکتا، قرآن مجید نے ان آیات میں "عدت" کے لیئے "کتاب" کا لفظ اختیار کیا ہے یہ بتانے کے لیئے کہ عدت کی فرضیت قرآن مجید سے ثابت ہے آخر میں فرماتے ہیں کہ اس کا خیال رہے کہ خدا تعالیٰ ان باتوں پر بھی واقف ومطلع ہے جو ابھی دل کی گہرائیوں میں جنم لے رہی ہیں۔ زبان کی شمشیر بے نیام نے ان کو ابھی دوسروں کے کانوں تک پہنچایا بھی نہیں، لیکن ساتھ ہی وہ بڑے ہی معاف کرنے والے اور بُردبار بھی ہیں گناہوں کو معاف بھی کر دیتے ہیں اور غلطیوں پر جلدی پکڑتے بھی نہیں لیکن اس سے جری ہو کر گناہوں کے ارتکاب پر دلیر نہ ہو جانا چاہیئے۔

(حاشیہ برصفحہ آئندہ)

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا

تم پر (مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لیے

لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ صلے وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ

کچھ مہر مقرر کیا ہے اور صرف ان کو جوڑا دے دو۔ صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہو اور تنگدست

قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَاِنْ

کے ذمہ اسکی حیثیت کے موافق ہے جوڑا دینا قاعدہ کے موافق واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر اور اگر

طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ

تم ان بیبیوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لیے کچھ مہر بھی مقرر

(حاشیہ متعلقہ صفحہ گذشتہ) ۱؎ مطلقہ ہی عورت کی طرح ایک وہ عورت بھی ہے جو شوہر کی وفات کے بعد عدّت گذار رہی ہے قرآن مجید کی جامعیّت کہ مطلقہ عورت کے مسائل ذکر کرنے کے بعد جس کا شوہر مرگیا ہو اس کے بھی احکام و مسائل ذکر کیے۔ عدت کی یہ مدّت چار مہینہ اور دس دن ہے۔ اس پوری مدت میں عورت ترک زینت کے ساتھ کسی سے نکاح وغیرہ بھی نہیں کر سکتی بلکہ اس کو نکاح کا پیغام کھلے لفظوں میں دینا بھی جائز نہیں، اکثر علماء کی رائے میں یہ مدتِ عدت جو چار مہینہ دس روز ہے اس لیئے ہے کہ اس مدت میں بخوبی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ آیا عورت حاملہ ہے یا نہیں؟ اگر حاملہ ہوگی تو پھر اس کی عدت، وضع حمل ہوگی اور اگر حاملہ نہیں تو چار مہینہ دس دن گذار کر دوسرا نکاح چاہے تو کر سکتی ہے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ عرب میں یہ مدت ایسی تھی کہ اس پر اگر عورت دوسرا نکاح کرتی تو عام طور پر نکتہ چینیاں نہ ہوتیں اور اگر اس مدت سے پہلے ہی نکاح کر لیتی تو عام طور پر اس کو بُرا بھلا کہا جاتا۔ اسلام نے عرف عام کی رعایت میں وہی مدت، عدت قرار دے دی ہے اور بعض یہ بھی لکھتے ہیں کہ چار ماہ کی مدت ایسی ہے کہ عورت، شوہر کے بغیر گذار سکتی ہے اس سے زیادہ وقت گذارنے پر اس کو بھی مرد کی خواہش ہوتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

کام کی بات یہ ہے کہ اسلام نے اس رشتۂ ازدواج کی اس قدر رعایت کی تھی کہ شوہر کی وفات کے بعد بھی اس مقدس بندھن کی یادگاری پر سوگواری ایک دو دن کی نہیں مکمل چار ماہ اور دس دن کی رکھی لیکن جدید یورپ کی کورانہ تقلید سے اب نکاح ایک وقتی تفریح ہو کر رہ گیا معاذاللہ، یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شوہر کے علاوہ کسی کا اتنا لمبا ماتم ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے تین دن سے زیادہ کسی بھی میّت کا غم نہ کرے۔

عرب میں عدت کے بارہ میں جو افراط و تفریط تھی مثلاً عدت عورتیں ایک ایک سال تک کرتیں اور اس عرصہ میں ہر طرح کا بناؤ سنگھار وغیرہ چھوڑ دیتیں، اسلام نے اس کی اصلاح کر کے جامع مصالح کے پیش نظر ایک مدت ٹھہرا دی۔

علامہ رشید رضا نے المنار میں لکھا ہے کہ:۔

"اذا علمت هذا وامثاله مما كانت عليه العرب من العادات السخيفة والخرافات الشائنة المهينة للمرأة يظهر لك شأن ما جاء به الاسلام من الاصلاح فى ذلك"۔

فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّآ أَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ

کر چکے تھے تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا نصف (واجب) ہے مگر یہ کہ وہ عورتیں (اپنا نصف) معاف کر دیں یا یہ کہ وہ

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا

شخص رعایت کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق (رکھنا اور توڑنا) ہے اور تمہارا معاف کر دینا (بہ نسبت وصول کرنیکے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے

الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

اور آپس میں احسان کرنیسے غفلت مت کرو۔ بلاشبہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں

"تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان بیویوں کو جنھیں تم نے ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کے لیے مہر مقرر کیا ہو طلاق دیدو، وسعت والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگی والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے مطابق، یہ خرچ شرافت اور انسانیت کے موافق ہو اور یہ واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر، اور اگر تم نے انھیں طلاق دے دی ہے قبل اس کے کہ انھیں ہاتھ لگایا ہو لیکن ان کے لیے کچھ مہر مقرر کر چکے ہو تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے اس کا نصف واجب ہے بجز اس صورت کے کہ یا تو وہ عورتیں خود ہی معاف کر دیں، یا اپنا حق وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا اختیار ہے، اور اگر تم اپنا حق معاف کر دو تو یہ بڑا تقویٰ ہے، اور آپس میں لطف و احسان کا معاملہ نظر انداز نہ ہونا چاہیئے تم جو بھی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے"

طلاق اور اس کی متعدد صورتیں

ان آیات میں "ان طلّقتم النساء" شرط ہے اور اس کا جواب "لاجناح علیکم" ہے پوری عبارت یوں ہوگی کہ "ان طلقتم النساء فلاجناح علیکم" جس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم نے عورتوں کو ہم بستری سے پہلے طلاق دے دی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یا ایسی عورتوں کو طلاق دو جن کا تم نے کوئی مہر مقرر نہیں کیا تھا سو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ آیاتِ قرآنی میں فرض فریضہ سے مہر مراد ہے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی ایسی عورت کو طلاق دی جا رہی ہے جس کا مہر متعین ہو چکا تھا لیکن طلاق، صحبت سے پہلے دی گئی تو اس صورت میں جتنی مہر کی اصل مقدار تھی اس کا نصف دیا جائے گا، مثلاً اگر کسی عورت کا مہر پانچسو روپیہ تھا تو اب اس کو ڈھائی سو دیں گے، اور اگر مہر ہی متعین نہیں تھا اور صحبت سے پہلے ہی طلاق دی گئی تو مہر تو ہے ہی نہیں جس کا آدھا دیا جائے بلکہ "متعہ" دیں گے، (متعہ کی تشریح آگے آتی ہے) متعہ ایک قمیص ہوتی ہے اور ایک دوپٹہ نیز ایک چادر، عورت کے لیے یہ پوشاک، مرد کی حیثیت کے مطابق واجب ہوگی، اگر کھاتا پیتا آدمی ہے تو حسبِ حیثیت اور غریب و نادار ہے تو اس کی حیثیت ہی کے مطابق، احناف رحمہم اللہ کی رائے کے مطابق، متعہ بس اسی ایک عورت کے لیے واجب ہے جس کو ہم بستری سے پہلے ایسے حالات میں طلاق دی جا رہی ہے کہ اس کا مہر بھی متعین نہیں ہوا تھا اس کے علاوہ دوسری مطلقات کے لیے متعہ واجب نہیں اگر شوہر طلاق کے بعد دینا چاہے تو بہتر اور مستحب ہے۔

فرماتے ہیں کہ مطلقہ مخصوصہ کے لیے یہ پوشاک خوش معاملہ لوگوں پر واجب ہے قاعدہ و دستور کے مطابق یہ پوشاک عورت کو ضرور ہی دینا چاہیئے "محسنین" کے لفظ سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ "متعہ" کا انتظام اس صورت میں صرف ایک احسان

کا معاملہ ہے، نہیں بلکہ یہ تو واجب ہے اس کے بعد اس عورت سے متعلق فرما رہے ہیں جس کو ہم بستری سے پہلے طلاق دی جا رہی ہے لیکن مہر اس کا متعین کیا جا چکا تھا، کہ اگر ایسی صورت میں طلاق ہو تو جو مہر متعین تھا اس کا نصف دینا چاہیئے۔ لیکن اگر عورتیں اس نصف مہر کو معاف کر دیں اور شوہر سے نہ لیں تو پھر دوسری بات ہے ان کا حق ہے معاف کر دیں تو شوہر کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی تشریح "شوہر" سے کی ہے یعنی "الذی بیدہ عقدۃ النکاح" سے مراد علی رضی اللہ عنہ کی رائے میں شوہر ہے، حضرت سعید بن جبیرؒ، شریح، مجاہد، ابو حنیفہ، اور شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

یہ حضرات کہتے ہیں کہ طلاق کا اختیار شوہر کو ہے لہذا نکاح کو باقی رکھنے کا بھی اختیار اسی کو ہوگا۔ مطلب یہ ہوا کہ جس عورت کو ہم بستری سے پہلے طلاق دی جا رہی ہے اور مہر اس کا متعین ہو چکا تھا تو اب اس مہر کا آدھا عورت کو دیا جائے گا لیکن اگر عورت اس نصف کو لینے سے بھی انکار کرے تو فبہا، یا مرد بجائے آدھا دینے کے پورا ہی مہر دیدے تو سبحان اللہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قدیم قول یہ ہے کہ "الذی بیدہ عقدۃ النکاح" سے "ولی" مراد ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ اگر مطلقہ چھوٹی عمر کی ہے تو پھر ولی اس کی طرف سے کوئی احسان یعنی مہر چھوڑنے کا شرعی اختیار.... نہیں رکھتا، اور ان آیات میں مہر کو معاف کر دینے کا بھی ذکر ہے اس لیئے سیدنا امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کی رائے احناف کے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگر "چھوڑ دینے اور نہ لینے" کے جذبہ سے شوہر اور بیوی کام لیں تو یہ تقوی سے بہت قریب ہے۔ ان آیات میں اگرچہ ذکر صرف شوہر کا ہے کیونکہ صیغہ "تعفوا" جمع مذکر کے لیئے ہے لیکن مراد عورت اور مرد دونوں ہیں، عربی میں ایک مشہور قاعدہ ہے "تغلیب" کا جس کا مطلب ایک نوع کو دوسری نوع پر غلبہ دیتے ہوئے ذکر ایک کا کرنا اور مراد دونوں لینا ہے اسی قاعدۂ تغلیب سے کام لے کر یہاں ذکر صرف مرد کا ہوا لیکن عورت بھی مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یا شوہر کل مہر دے دے یا عورت پورا مہر چھوڑ دے، "پورا پورا لو اور دو" اس جذبہ سے کام نہ کریں بلکہ "چھوڑ دو اور حق سے زیادہ دے دو" یہ جذبہ ہو تو بڑے مفید نتائج سامنے آئیں۔ ارشاد ہے کہ معاملات میں رعایت و سماحت کا اصول کار فرما ہونا چاہیئے۔ خدا تعالی بندوں کے تمام اعمال دیکھ رہے ہیں اس لیئے ہر نیک عمل پر جزا خیر بھی ضرور ہی عنایت فرمائیں گے۔

---

۵۷ یہ عورت جس کو ہم بستری سے پہلے طلاق دی جا رہی ہے مسئلہ یہ ہے کہ اس پر عدت بھی واجب نہ ہوگی جیسا کہ سورۂ احزاب میں اس کا ذکر ہے۔ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن مجید نے اس موقع پر "مس" کا لفظ اختیار کیا ہے احناف مس سے ہم بستری مراد لیتے ہیں لیکن اس تعمیم کے ساتھ کہ "مس حقیقی" ہو یا مجازاً یعنی خلوت صحیحہ بھی اگر ہو گئی اور ہم بستری نہیں ہوئی تو جب بھی یہی حکم ہوگا۔ نیز قرآن مجید نے اس موقع پر "متعوہن" کا لفظ عام استعمال کیا ہے، اسی لیئے فقہاء نے لکھا ہے کہ "متعہ" کا اعلیٰ ترین فرد یہ ہے کہ مرد عورت کو خادم تک دے سکتا ہے اور ادنیٰ صورت یہ ہے کہ صرف پوشاک و لباس کا انتظام کر دے۔

روح المعانی میں ہے کہ "متعۃ الطلاق اعلاہا الخادم ودون ذلک الورق ودون ذلک الکسوۃ" البتہ عام طور پر فقہاء لکھتے ہیں کہ تین کپڑوں پر مشتمل جوڑا متعہ ہوتا ہے ہاں یہ جوڑا، ملک اور قوم کے رواج کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد خدا تعالی نے ایک اور صورت طلاق کی ذکر فرمائی اور وہ یہ ہے کہ مہر متعین ہو چکا تھا لیکن ہم بستری سے پہلے طلاق دی گئی اس صورت میں جو مہر متعین ہوا تھا اس کا نصف عورت کو دیا جائے گا۔ قانون شرعی تو یہی ہے لیکن ساتھ ہی خدا تعالی نے یہ بھی فرما دیا کہ اس معاملہ میں (باقی بر صفحہ آئندہ)

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ○

محافظت کرو سب نمازوں (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً) اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا

پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو پھر جب تم کو اطمینان ہو جاوے تو تم خدا تعالیٰ کی یاد

اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ○

اس طریق سے کرو جو تم کو سکھلایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔

"سب ہی نمازوں کی پابندی رکھو اور خصوصاً درمیانی نماز کی۔ اور اللہ کے سامنے عاجزوں کی طرح کھڑے رہا کرو، لیکن اگر تمھیں اندیشہ ہو تو پیدل ہی پڑھ لیا کرو۔ یا سواری پر۔ پھر جب تم امن میں آجاؤ تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اس نے تم کو سکھایا ہے جس کو تم جانتے بھی نہ تھے"

نماز کا اہتمام

"حفظ صلوات" سے نماز پر مداومت، اوقات پر ادائیگی، نماز کے ارکان اور شرائط کی پوری پوری رعایت مراد ہے۔ اب رہ جاتی ہے یہ بحث کہ "صلوٰۃ وسطیٰ" سے کیا مراد ہے، تو مفسرین نے لکھا ہے کہ وسطیٰ افضل کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ عرب عام طور پر بہترین اور عمدہ چیز کو اوسط کہنے کے عادی ہیں، خدا تعالیٰ نے تمام نمازوں کا ذکر فرمانے کے بعد اس صلوٰۃ وسطیٰ کا ذکر مستقل اس لیے فرمایا کہ یہ نماز باقی تمام نمازوں میں افضل اور اعلیٰ ہے۔ "صلوٰۃ وسطیٰ" سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں عصر کی نماز مراد ہے، بلکہ جمہور علماء کی رائے بھی یہی ہے، امام اعظم رح کی اس رائے کی تائید آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے جنگ احزاب کے موقع پر فرمایا تھا آپ نے مقابل کی طاغوتی قوتوں کی اس بے دردی کا خاص طور پر ذکر فرماتے ہوئے کہ ان ظالموں نے ہمارے ساتھ اور تو جو کچھ کیا، کیا ظلم تو یہ کیا کہ ہم کو "صلوٰۃ وسطیٰ" سے بھی محروم کر دیا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نماز جو قضا ہو گئی تھی جس پر آپ نے غم کا اظہار کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا "صلوٰۃ وسطیٰ"، عصر کی نماز تھی جیسا کہ خود اس روایت میں "عصر کی نماز" کا لفظ بھی موجود ہے، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کی قبروں کو آگ کے انگاروں سے لبریز کر دے، بلکہ روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ یہی وہ نماز تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی چھوٹ گئی تھی یہاں تک کہ دن ہی ڈوب گیا تھا۔

اس کے علاوہ ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا زوجہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کریم کے نسخہ میں الصلاۃ الوسطیٰ کے بعد "انہا الصلوٰۃ التی العصر"، کے الفاظ بھی موجود ہیں جس سے خوب واضح ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے صلوٰۃ عصر مراد ہے، اس کے علاوہ وسطیٰ کے معنیٰ درمیان کے بھی ہیں، اور عصر کی نماز واقعۃً رات اور دن کے درمیان ہی میں ہے، اس کی فضیلت یوں بھی سمجھ میں آتی ہے کہ عصر کا وقت بڑی مشغولیت کا وقت ہوتا ہے لوگ اپنے کاروبار، خرید و فروخت لین دین میں مشغول ہوتے ہیں اس لیے اس وقت نماز کا اہتمام واقعی بڑا ہی افضل کام ہے، اس کے علاوہ بعض علماء کی رائے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) توسع اور وسعت قلبی کا شوہر اور بیوی مظاہرہ کریں یا شوہر کل مہر دیدے یا عورت تمام مہر چھوڑ دے۔

صلوٰۃ وسطیٰ سے ظہر کی نماز بھی مراد ہے، یہ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ ظہر کی نماز، دن کی تمام نمازوں میں درمیان میں واقع ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ صبح کی نماز مراد ہے کیونکہ صبح کی نماز، دن، رات کی نمازوں کے درمیان (وسط) میں واقع ہے، بعض فقہاء لکھتے ہیں کہ مغرب کی نماز مراد ہے کیونکہ وہ چار اور دو رکعتوں والی نمازوں کے درمیان والی نماز ہے یعنی اس میں نہ چار رکعات اور نہ دو بلکہ اس تعداد رکعات کے وسط میں ہے یعنی تین رکعات، مغرب کی نماز مراد لینے پر اس کے علاوہ ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ یہ نماز، دو ایسی نمازوں کے درمیان ہے جن میں قراءت خاموش پڑھی جاتی ہے یعنی ظہر اور عصر، اور دو ایسی نمازیں اس کے بعد آرہی ہیں جن میں بآوازِ بلند قراءت کی جاتی ہے یعنی عشاء اور صبح، کچھ علماء کی رائے ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے عشاء کی نماز مراد ہے کیونکہ عشاء کی نماز دو طاق نمازوں کے بیچ میں آرہی ہے۔ اس سے پہلے مغرب کی نماز ہے جس کی رکعات کی تعداد تین ہے اور اس کے بعد فجر کی نماز ہے اس کی بھی رکعات دو ہیں۔ اور کچھ علماء کہتے ہیں کہ "صلوٰۃ وسطیٰ" کو متعین نہ کرو بلکہ تمام ہی نمازیں پورے اہتمام سے ادا کرنی چاہئیں اور اس کا معاملہ "لیلۃ القدر" کی طرح ہے کہ شریعت کے پیشِ نظر یہ ہے کہ تمام راتوں میں انسان عبادات میں لگا رہے اس مقصد کے پیشِ نظر "لیلۃ القدر" شریعت کی جانب سے متعین نہ ہوسکی ایسے ہی تمام نمازوں کا دراصل اہتمام مطلوب ہے یہی وجہ ہے کہ "صلوٰۃ وسطیٰ" کا تعین نہ ہوسکا۔

پھر فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سامنے پوری اطاعت اور خشوع وخضوع کی لبریز کیفیات کے ساتھ کھڑے ہوا کرو، قانتین سے بعض مفسرین نے ذکر بھی مراد لیا ہے یہ علماء کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر قیام میں مطلوب ہے گویا کہ قنوت کا مطلب، بحالتِ قیام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے یا طولِ قیام مراد ہو اور مطلب یہ ہے کہ نماز وغیرہ میں قیام لمبا ہونا چاہیئے۔

صلوٰۃِ خوف

ارشاد ہے کہ اور اگر تم کو دشمن کی طرف سے شدید حملہ کا خطرہ ہو یا کوئی اور خوف دامنگیر ہو تو پھر پیادہ نماز ادا کرو، ترکیب نحوی کے اعتبار سے "رجالاً" حال واقع ہو رہا ہے اور یہ راجل کی جمع ہے، جیسا کہ "قائم" کی جمع قیام استعمال ہوتی ہے، اور اگر خوف واندیشہ بڑھ جائے تو پھر سوار ہو کر بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے، یہ نماز اشاروں سے ادا ہوگی اور شدید ضرورت کی وجہ سے اس میں قبلہ رخ ہونا بھی ضروری نہیں رہتا لیکن جب امن کے لمحات شروع ہوجائیں تو پھر نماز پورے اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ جیسا کہ عام طور پر ادا کی جاتی ہے ادا ہونی چاہیئے جس کی تعلیم شریعت نے انسان کو دی ہے حالانکہ شریعت کی تعلیم سے پہلے وہ اس اہم فریضہ کی ادائیگی اور اس کے طور وطریق سے بالکل ہی ناواقف تھا۔

---

۵۷ دور سے احکام معاشرت، گھریلو زندگی، خاندانی اور عائلی روابط، ان روابط کے مختلف ادوار ومراحل، طلاق، عدت، مہر، ترکہ، میراث وغیرہ سے متعلق احکام بیان ہو رہے تھے آخر میں اچانک نماز اور اس اہم فریضہ کی ادائیگی، پورے آداب وشرائط کا لحاظ، انہماک اور اہتمام پر توجہ فرمائی خدا تعالیٰ کا یہ خاص اندازِ خطاب ہے کہ دنیا سے متعلق ہدایات ارشاد فرماتے ہوئے، دفعتاً تذکیر باللہ اور اس کی مکمل صورتوں کی جانب انسان کی توجہ منعطف کراتے ہیں جس سے بتانا یہ مقصود ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی پوری معاشرت اسلام کے تمام ضابطوں میں جکڑی ہوئی ہونی چاہیئے۔ اس کو گھریلو زندگی، بیوی بچوں کے ساتھ تعلق میں بھی اسلامی ضابطوں ہی کی پوری پابندی کرنا ہے اور ہر قدم، ہر مرحلہ، اور ہر لمحہ "دست بکار اور دل بیار" کے اصول پر کاربند ہونا چاہیئے، اس کی دنیا، دنیا میں دلچسپی، آخرت کے انہماک اور ادائیگی فرض سے اس کو غافل نہ کرے۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سب سے بڑی خصوصیت قرآن مجید نے ہم کو یہی بتائی ہے کہ دنیا کے مشاغل اور مصروفیات ان کو آخرت اور فکر آخرت سے غافل نہ کرتی تھیں "رجال لا تلہیہم" الخ (باقی برصفحہ آئندہ)

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ صلے وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی ان بیبیوں کیواسطے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی آیتِ پاک پر نظر رکھو تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیاتِ پاک کے کچھ گوشے کھل کر ہمارے سامنے آجائیں گے۔ بہرحال دنیا کے ہنگاموں میں، دین کا انہماک ایک مؤمن کی تابناک زندگی کا واضح اور روشن پہلو ہے، اسی لیئے قرآن مجید عموماً احکام و مسائل کے تذکرہ کو فکر آخرت کے مطلوب فکر پر ختم کرتا ہے۔ المنار میں ہے کہ "ورأینا من سنۃ القرآن ان یختم کل حکم او عدۃ احکام بذکر اللہ تعالیٰ والامر بتقواہ" اور کیونکہ نماز تمام عبادات کی روح، دین کا ستون ہے اس لیئے اس کی جانب توجہ دلانا بے حد ضروری اور مناسب ہے خدا تعالیٰ نے اس موقع پر بجائے "حفظ" کے "محافظت" کا لفظ اختیار فرمایا ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ اس لفظ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نمازی، نماز کا اہتمام اور نگہداشت رکھے تو خدا تعالیٰ غیب سے اپنی "حفاظت" اس بندہ کے لیئے مخصوص فرمادیں گے گویا کہ یہ آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے "فاذکرونی اذکرکم" کا مفہوم ادا کرتی ہے۔ علامہ رشید رضا مرحوم لکھتے ہیں" قال بعض المفسرین فی وجہ اختیار لفظ المحافظۃ علی الحفظ ان الصیغۃ علی اصلها تفید المشارکۃ فی الحفظ وھی ھھنا بین العبد و ربہ کانہ قیل احفظ صلاتک یحفظک اللہ الذی امرک بها کقولہ فاذکرونی اذکرکم"۔

صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر ہی کی نماز ہے اگرچہ علما نے اس سلسلہ میں اٹھارہ قول نقل کیے ہیں تفصیل کے لیئے قاضی شوکانی کی نیل الاوطار دیکھنا چاہیئے لیکن متقدمین اور متاخرین شوافع علما نے بھی امام اعظم رح کی رائے کو ترجیح دی ہے اور عصر ہی کی نماز مراد لی ہے۔ المنار میں علامہ رشید رضا مرحوم نے لکھا ہے کہ "اصحها روایۃً ماذھب الیہ الجمهور من کونها صلوٰۃ العصر" اور یہ بھی لکھا ہے کہ جن روایات میں عصر کی نماز کے علاوہ دوسری نمازوں کا ذکر آتا ہے وہ اپنی سند، متن، قوت کے اعتبار سے عصر والی نماز کی روایات کو نہیں پہونچتیں لکھتے ہیں کہ" ولاصحاب الاقوال الاخری فی تعین الصلوٰۃ الوسطےٰ احادیث لا تصل الی درجۃ ماورد فی صلوٰۃ العصر" کاشکہ مسلمان، نماز کی نگہداشت، اور اہتمام کرتے تو ان کی تمام ہی دنیاوی پریشانیوں کا علاج خود ہو جاتا۔ محافظت صلوٰۃ کے جو فائدے مفسرین نے لکھے ہیں اتنے مفصل ہیں کہ قلم ان کی ساری تفصیلات کو اس مختصر تفسیر میں سمیٹ نہیں سکتا، اہلِ علم تفاسیر خصوصاً "المنار" کا مطالعہ کریں۔ نماز کا یہی اہتمام اس کا مقتضی تھا کہ کسی بھی حالت میں وہ ترک نہ ہو، لیکن خدا تعالیٰ کا یہ قانون کہ وہ انسان کو اس کی قوت اور تحمل ہی کے مطابق اعمال کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں، مختلف حالتوں میں نماز کی کیفیات بدلتی رہیں لیکن ساقط کسی حالت میں نہیں ہوئی چنانچہ "محافظتِ نماز" کے عام حکم کے ساتھ فوراً ہی عین گھمسان کی لڑائی اور خاص میدانِ جنگ میں بھی نماز کا حکم ارشاد فرمایا ہاں ضرورت کے پیشِ نظر، اس کی صورت اور ہیئت میں مناسب ترمیم فرمادی فقہاء کے یہاں اس نماز کو "صلوٰۃ خوف" کہا جاتا ہے، اور فقہ و احکام کی کتابوں میں تفصیل سے اس کے احکام زیر بحث آتے ہیں، خوف جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے صرف دشمن ہی کا خطرہ نہیں بلکہ جب انسان کو کوئی اہم خطرہ پیش آئے اس وقت اس نماز کی اجازت ہو گی لیکن خطرہ واقعی اور اہم ہو، معمولی خطرات یا فرضی اندیشوں سے اس نماز کی اجازت شرعاً نہ ہوگی۔ لیکن نماز کی ہیئت و صورت میں یہ تبدیلی قطعاً عارضی اور وقتی تھی جیسے ہی یہ پریشانی، خوف اور بدامنی کے اوقات ختم ہوں، نماز اسی اطمینان، سکون، حضورِ قلب اور خشوع و خضوع کے ہمہ گیر اصول کے تحت ادا کی جائے گی جیسا کہ خود حضرت حق جل مجدہٗ نے آخر آیات میں ارشاد فرمایا ہے اور اس کو اپنا ایک انعام قرار دیا ہے کہ حالتِ خوف میں نماز کا یہ آسان طریقہ تم کو تعلیم کیا (باقی بر صفحہ آئندہ)

مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

ایک سال تک منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جاویں ہاں اگر خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں

فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَ

اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے بارہ میں کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں اور

لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ

سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک و کفر سے) پرہیز کرتے ہیں۔ اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

حق تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں اس توقع پر کہ تم سمجھو (اور عمل کرو)۔

"اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں ان پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے حق میں نفع اٹھانے کی وصیت کر جائیں وصیت یہی کہ ان عورتوں کو، ان مرنے والوں کے رشتہ دار ایک سال تک گھر سے نہ نکالیں، لیکن اگر عورتیں خود نکل جائیں تو کوئی گناہ تم پر نہیں اس سلسلے میں، جسے وہ عورتیں شرافت کے ساتھ اپنے بارہ میں اختیار کرتی ہیں اور اللہ بڑا زبردست ہے اور بڑی حکمت والا ہے، اور طلاقنوں کے حق میں بھی نفع پہونچانا، دستور کے موافق ضروری ہے، یہ پرہیزگاروں پر واجب ہے اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے سامنے کھول کر اپنے احکام بیان کرتا ہے۔ شاید کہ تم سمجھو۔"

کچھ احکام، کچھ مسائل

فرماتے ہیں کہ جس عورت کا شوہر مر گیا ہو اعزہ اور اقارب شوہر کے گھر سے اس عورت کو ایک سال تک نہ نکالیں، ترکیب نحوی کے اعتبار سے "غیر اخراج" تاکید کے لیے مصدر استعمال کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ کہیں کہ "ھذا القول غیر ما تقول"، اور ہو سکتا ہے کہ "متاعا" سے بدل ہو اور اسی لیے منصوب ہو۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ شوہر کو نزع اور جان کنی کی حالت سے پہلے یہ وصیت اپنے ورثاء کو کر دینی چاہیئے کہ وہ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کو گھر سے کم از کم ایک سال کے لیے نہ نکالیں، بلکہ اس ایک سال کا خرچ بھی شوہر کے ورثاء پر واجب ہوگا۔

یہ حکم منسوخ ہوگیا

لیکن علماء اور فقہاء کی رائے ہے کہ ابتداء میں یہ حکم ضرور تھا کہ شوہر کے رشتہ دار ان عورتوں کو گھر سے علیحدہ اور جدا نہ کریں، لیکن بعد میں یہ حکم ختم ہو گیا، اور اب یہ حکم باقی نہیں رہا، بلکہ بعد میں یہ حکم آ گیا کہ عورتوں پر چار مہینے اور دس دن کی عدت ہے جس کو وہ شوہر کے گھروں میں بیٹھ کر پوری کریں گی۔ گویا کہ سال بھر کی مدت مختصر کر کے کل چار مہینے اور دس دن میں محدود کر دی گئی۔ تلاوت کے اعتبار سے یہ ناسخ آیت یعنی "والذین یتوفون منکم الخ" مقدم ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس نعمت کا شکر یہی ہوگا کہ اطمینان کی حالت میں نماز پوری دلجمعی اور انشراح کے ساتھ قائم کی جائے۔ مترجم۔

لیکن نزول کے اعتبار سے ایسی ہی مؤخر ہے جیسا کہ "سیقول السفہاء من الناس الخ" "قد نری تقلب وجھک فی السماء" کا معاملہ۔
پھر فرماتے ہیں کہ اگر یہ عورتیں ایک سال کی مدت پوری کرنے کے بعد شوہر کے گھر سے چلی جائیں اور شریعت و رواج کے مطابق زینت و آراستگی، بناؤ سنگھار کریں یا دوسری شادی کا ارادہ کریں تو کوئی حرج نہیں ایسا کر سکتی ہیں اور آخر میں ان احکام میں وقتاً فوقتاً تبدیلی پر اپنی دو لطیف صفت ذکر فرمارہے ہیں ایک زبردست اور دوسری حکیم۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ طلاقنوں کو عدت کے زمانہ میں نان و نفقہ ملے گا، جو دستور اور شرعی قاعدوں کے مطابق ہونا چاہیئے، اہل تقویٰ اس کو اپنے اوپر واجب سمجھیں فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ عام انسانوں کے سامنے اپنے احکام اور قوانین کو اسی طرح واضح فرماتے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ انسان ان احکام کی غرض و غایت، مقاصد اور مصالح پر غور کرے اور سمجھے کہ ان احکام پر عمل کرنے سے خود اس کا کتنا فائدہ ہوگا۔ "تعقلون" ترکیب نحوی کے اعتبار سے محل رفع میں ہے کیونکہ وہ "لعل" کی خبر ہے، ہم نے لکھا ہے کہ ان آیات میں عورت کے لیے بزمانہ عدت نفقہ مراد ہے لیکن بعض علماء نے "متعہ" بھی مراد لیا ہے اگر متعہ مراد لیا جائے، تو پھر یہاں وہ عورت مراد ہوگی جو کہ ماقبل میں مذکور مطلقہ کے علاوہ ہو نیز متعہ کا یہ دینا مستحب ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ

(اے مخاطب) تجھ کو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو کہ اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ ہزاروں ہی تھے موت سے

الْمَوْتِ ص فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا قف ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ط إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ

بچنے کے لیئے سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیئے (حکم) فرمادیا کہ مرجاؤ (سب مرگئے) پھر ان کو جلا دیا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنیوالے ہیں

ع۔ ان آیات میں جو حکم وصیت تھا کہ وہ اپنی بیویوں کے لیئے وصیت کر جائیں کہ ان کو ان کے گھر سے شوہر کی وفات کے بعد ایک سال تک نہ نکالیں، فقہاء اور مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا اور بعد میں جن جن لوگوں کو شریک کیا گیا عورت کو بھی شریک کر لیا گیا۔ روح المعانی میں ہے کہ اس وقت یہ نفع تین چیزوں پر مشتمل تھا۔ (۱) کھانا پینا، (۲) لباس و پوشاک (۳) سکونت و قیام، دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے بیوہ عورت کے مستقل حقوق متعین کر کے اپنی اس انفرادیت کو قائم کر دیا جو تمام مذاہب میں اس کی ممتاز اور مخصوص انفرادیت ہے جو کچھ بیوہ پر بیوگی کے دور میں ظلم و ستم ڈھائے جاتے، ان کی تفصیلات سے تاریخ نہیں، مذاہب عالم کی مستند کتابیں لبریز ہیں، رسم ستی یعنی مردہ شوہر کے ساتھ جل کر مرجانا وفاداری نہیں بلکہ بیوگی کے مظالم سے جان بچانے کے لیئے دیدہ و دانستہ خودکشی تھی، اسلام نے بہت بڑا احسان کیا کہ بیوہ کے حقوق متعین کر کے دنیا کے اس مظلوم طبقہ کو آسودگی کے ساتھ زندگی گذارنے کا موقع دیا۔ دوسرے مذاہب میں تو بیوہ کو دوسرا نکاح کرنے کی بھی اجازت نہیں لیکن اسلام نے نہ صرف مستحسن بلکہ ایک حد تک ضروری قرار دیا اور بیوہ عورتوں سے نکاح کی فضیلت بتا کر مردوں میں ان کے ساتھ نکاح کی رغبت پیدا کر دی، خود سرور کائنات آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر ازواج مطہرات رض بیوہ ہی تھیں "وکفاک ہذا فخراً"، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آیات طلاق و نکاح، مسائل و احکام میں بکثرت جلالی صفات کا استعمال اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ احکام واجب العمل ہیں

(مترجم)

عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

لوگوں کے حال پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے

"کیا تجھے خبر نہیں ان لوگوں کی کہ جو اپنے گھروں سے موت سے بچنے کے لیے نکل گئے تھے جو تعداد میں بھی ہزاروں تھے تو اللہ نے ان سے کہا کہ مرجاؤ، پھر اس نے انھیں جلا دیا بے شک اللہ تعالیٰ انسانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر انسان شکر نہیں ادا کرتے۔

موت سے فرار لیکن مفید نہیں
قرآن کریم کا ایک عبرت انگیز واقعہ

عربی اسلوب میں "الم تر" سے جو گفتگو شروع ہوتی ہے اس سے مقصود مذکور واقعہ کے حیرت انگیز اور تعجب خیز پہلو پر زور دینا ہوتا ہے، اور ساتھ ہی گذشتہ امتوں کے جو واقعات سنائے جا چکے ہیں ان کو دل نشین کرنا بھی پیش نظر رہتا ہے، اسی لیے یہ گفتگو ایک ایسے شخص سے بھی ہو سکتی ہے جس نے نہ اس واقعہ کو بچشم خود دیکھا ہو اور نہ پہلے کبھی سنا ہو گویا کہ ان واقعات کی مثال ٹھیک "رائج مثالوں" سے ملتی جلتی ہے جس طرح وہ ناواقفی کے باوجود ہر وقت پیش کی جاتی رہتی ہیں ایسے ہی یہ قصے بھی گوش گذار کر دیے جاتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ نہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے پیش آنے کے وقت موجود تھے اور نہ باقی مخاطب قرآن مجید کے، یہ واقعہ کہاں اور کب پیش آیا؟ مفسرین نے اگرچہ اس سلسلہ میں بہت سی باتیں لکھی ہیں لیکن صحت وسند کی قوت کے اعتبار سے یہ دو واقعے زیادہ مشہور ہیں، ایک یہ کہ شہر واسط میں ایک مرتبہ بڑا زبردست طاعون پھیلا، جس پر وہاں کی آبادی کا غالب حصہ، طاعون کے خوف سے نکل بھاگا، لیکن خدا تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی (اور اس طرح ان کو بتایا کہ موت سے فرار مفید نہیں)۔ پھر خدا تعالیٰ کے ایک پیغمبر حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے ان کو دوبارہ زندگی عنایت فرمائی۔

دوسرا واقعہ اس سلسلہ میں یہ مشہور ہے کہ یہ "بنو اسرائیل کی ایک قوم تھی، ان کے زمانہ کے بادشاہ نے ان سے جہاد کے لیے کہا تو یہ جان چرا کر بھاگ نکلے، خدا تعالیٰ نے آٹھ دن تک ان پر موت طاری کر دی مگر بعد میں ان کو پھر زندہ کر دیا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے۔

خدا تعالیٰ نے ان کی تعداد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہزاروں تھے، ترکیب نحوی کے اعتبار سے "هم الوف" محل نصب میں ہے اور لفظ "الوف" سے معلوم ہوتا ہے کہ دو چار ہزار نہیں بلکہ ہزاروں تھے، کیونکہ لفظ "الوف" جمع کثرت ہے جو کئی ہزار پر دلالت کرے گا "حذر الموت" مفعول لہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بھاگنے کی وجہ کچھ نہیں تھی کوئی معقول بنیاد نہیں تھی بلکہ صرف موت سے ڈر، ان کو بھگائے لیے جارہا تھا، لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو اسی چیز میں مبتلا کر دیا جس سے یہ بھاگتے تھے یعنی موت۔

یہاں یہ نکتہ بھی خاص طور پر آپ کی توجہ کا مستحق ہے کہ خدا تعالیٰ نے لفظ "موتوا" جمع امر کا صیغہ اختیار فرمایا ہے اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر خلاف عادت، ایک ساتھ موت طاری ہوئی تھی، گویا کہ یہ خدا کا حکم تھا ورنہ عام عادت کے مطابق ہزاروں انسانوں کا یوں مرجانا عادت کے خلاف ہے، ان واقعات سے اصل مقصد مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ وتیار کرنا ہے اور ان کو یہ سمجھانا ہے کہ موت تو ایک لازمی اور ضروری مرحلہ ہے جس سے ہر انسان کو گذرنا ہے پھر موت سے فرار بے سود ہے،

آدمی خواہ مخواہ، موت کے خوف سے ایک اہم فریضہ یعنی جہاد کی طرف سے کیوں اعراض کرے بلکہ خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کے لیے ہمیشہ آمادہ و مستعد رہے، ان لوگوں کو موت طاری کرنے کے بعد دوبارہ زندگی دی گئی تاکہ ان کو معلوم ہو کہ مارنا اور جلانا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے "مرنا جینا" انسان کے بس اور قدرت کی بات نہیں۔ ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کا انسان پر بڑا ہی فضل ہے اور ہر ہی قدم پر خاص ان لوگوں پر کہ ان کو پھر زندہ کر دیا تاکہ ہر چیز پر ان کا یہ یقین بن جائے کہ موت و حیات اختیاری چیز نہیں بلکہ حضرت باری عزاسمہٗ کا ایک فیصلہ ہے اور تم کو یہ واقعہ سنایا کہ تم اس طرح کے واقعات سے عبرت حاصل کرو تو جن پر یہ بات بیتی ان پر بھی یقین کے دروازے کھلنے کا فضل فرمایا اور جنھیں عبرت کے لیے سنایا ہے فضل ان پر بھی ہے کہ عبرت پذیری کے مواقع مہیا کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اور ان لوگوں پر خود "زندگی" ایک احسان ہے قیامت تک یوں ہی اگر مرے پڑے رہتے تو کون ان کو جلاتا لیکن انسان کی بھی عجیب حالت ہے کہ انعامات کی کثرت بھی اس کے دل سے تو کیا زبان سے بھی شکر نہیں کراتی۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

(اس قصہ میں غور کرو) اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے (اور) خوب جاننے والے ہیں

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا

کون شخص ہے (ایسا) جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ (کے ثواب) کو بڑھا کر بہت سے

كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

حصے کر دیوے اور اللہ کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں اور تم اسی کی طرف (بعد مرنے کے) لیجائے جاؤ گے

"اور اللہ کی راہ میں قتال کرو، اور یقین رکھو کہ اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے، کون ایسا ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ قرض دے پھر اللہ اسے بڑھا کر کئی گنا کر دے، اور اللہ ہی تنگی بھی کرتا ہے اور فراخی بھی اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے"۔

لہ مفسرین نے اس واقعہ کی تعیین، زمانہ کا تعین، قوم کا تعین کرنے کے لیے بہت سی روایات اور قصے لکھے ہیں لیکن کسی بھی روایت کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صحیح ہے کیونکہ نہ قرآن مجید نے اس سلسلہ میں کچھ تفصیلات سنائیں اور نہ ذخیرہ احادیث میں اس واقعہ سے متعلق کوئی ارشاد نبوی۔ صاحب جلالین نے تو اس موقعہ پر سدّی کی روایت پر بھروسہ کر لیا حالانکہ باتفاق مفسرین سدّی کذاب ہے۔ یہ وہ سدّی نہیں جن کا نام اسماعیل ہے اور جو مشہور تابعی ہیں جن کی علمی عظمت اور حدیث میں صحت روایت کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تک نے تسلیم کیا ہے بلکہ یہ کذاب سدّی محمد بن مروان الکوفی ہے جو تمام مفسرین کے اتفاق سے مشہور کاذب ہے، ان آیات کی تفسیر میں دور حاضر کے بعض مفسرین خصوصاً علامہ عبدہ المصری مرحوم نے احیاء اور اماتت سے بلا وجہ قوموں کی معنوی موت اور معنوی زندگی مراد لی ہے۔ یہ تکلف بارد ہے اگر دشمن قوم سے مغلوبیت موت ہے اور دشمن اقوام پر فتح و کامرانی زندگی ہے اور معنوی کیفیت قرآن میں اس موقع پر مطلوب ہی تو خدا تعالیٰ خود ہی اس مراد کو یقیناً واضح فرما دیتے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ الفاظ میں حقیقی اور مشہور مراد کو چھوڑ کر مجاز پر محمول کرنا ذہناً مرعوبیت کی علامت ہے۔

جہاد اور اس کا حکم

ادپر جو واقعہ سنایا گیا کہ ایک قوم موت کے خوف سے ڈر کر بھاگی تھی لیکن یہ اقدام اس کو موت سے نہ بچا سکا اس واقعہ کو جہاد سے خاص مناسبت ہے کیونکہ جہاد میں بھی بظاہر موت کا خطرہ اور اندیشہ ہے اور اسی لیے آدمی اس فریضہ کی ادائیگی سے جی چراتے ہیں، خدا تعالیٰ نے جہاد سے پہلے یہ واقعہ سنا کر بتا دیا کہ جہاد میں موت یقینی نہیں، آدمی گھمسان کے معرکہ سے زندہ آسکتا ہے اور گھر کے عافیت کدہ میں جان دے سکتا ہے، اس لیے جہاد سے کیا ڈرنا، حکم ہوا کہ جہاد کے لیے نکلیں اور کلمۃ اللہ کو بلند کریں، یہ خطاب یا تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہے یا اس قوم کو تھا جو جہاد سے بھاگی تھی اور جن پر موت طاری کر دی گئی تھی گویا کہ ان کو زندہ کرنے کے بعد پھر جہاد کا حکم ہوا۔ واقعہ کے بعد متصلاً جہاد کا حکم اس بات کا بڑا قرینہ ہے کہ یہ قوم طاعون وغیرہ کے خطرہ سے نہیں بلکہ جہاد ہی سے جان چرا کر بھاگی تھی، آخر میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ جہاد سے رک جانے والوں کے بارد اور غیر معقول اعذار و مجبوریوں کو خوب سنتا ہے اور جو حقیقتِ حال ان کے دل میں ہے اس کو خوب جانتا ہے، آئندہ آیات میں ترکیب نحوی کے اعتبار سے " من " مبتدا ہے، اور استفہامیہ ہے اور " ذا " اس کی خبر ہے " الذی " ذا کی صفت ہے یا بدل ہے، " یقرض اللہ " " الذی " کا صلہ ہے، اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کیا جائے اس کو " قرض " کے لفظ سے تعبیر فرمایا کیونکہ قرض کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ لیا جا رہا ہے وہ واپس کرنا ہے گویا کہ خدا تعالیٰ نے ان الفاظ ہی سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے گے خدا تعالیٰ اس کا بدلہ ضرور عنایت فرمائیں گے، لغوی اعتبار سے لفظ " قرض " میں " قطع " کا مفہوم موجود ہے قرض کو قرض اس لیے کہتے ہیں کہ آدمی اپنی ضروریات سے کاٹ کر دوسرے کو قرض کے طور پر دیتا ہے اسی لیے عربی زبان میں قینچی کو " مقراض " کہتے ہیں کیونکہ اس سے بھی کاٹنے کا ہی کام لیا جاتا ہے۔

" قرضِ حسنہ " سے مراد وہ مال ہے جو دل کی پوری خوشی کے ساتھ دیا جاتا ہے، بہر حال یہاں مراد وہی صرف ہے جو جہاد کے سلسلہ میں خرچ کیا جائے ظاہر ہے کہ جہاد میں لشکر کا انتظام، اسلحہ جات کی تیاری، فوجوں کے مصارف، محاذِ جنگ پر ہزاروں قسم کے اخراجات یہ سب ضروری ہیں اور جب جہاد کا حکم دیا گیا تو مناسب تھا کہ فی سبیل اللہ خرچ کا بھی تذکرہ اور ترغیب فرمائیں، اس لیے بطور ترغیب فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر بڑھا کر عنایت فرمائیں گے، اور یہ اضافہ اتنا ہو گا جس کو خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، اگرچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک پیسہ کے عوض میں سات سو گنا دیا جائیگا، فرماتے ہیں کہ رزق میں وسعت اور تنگی من جانب اللہ ہی ہے اس لیے خرچ کرنے میں یہ خوف کہ کہیں کم نہ ہو جائے ہم غریب نہ ہو جائیں، ناداری میں کیا ہو گا؟ سب شیطان کے وساوس ہیں تم سب کو خدا تعالیٰ ہی کے یہاں جانا ہے پھر وہ تمام اعمال پر جزا و سزا دیں[ع۵] گے۔

ع۵ ان آیات میں جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے ہم اس سے پہلے تفصیلی نوٹ جہاد پر لکھ آئے ہیں ان کو مکرر دیکھ لیا جائے۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہمہ تن مصروف رہنا ایک مسلمان کا فرض ہے، اور اسی ذیل میں ظاہر ہے کہ اسلامی گورنمنٹ کو جنگ کے لیے زبردست مال کی ضرورت پیش آئے گی، یہ ضرورت، لوٹ، کھسوٹ، ناجائز آمدنی، سودی کاروبار، بنکوں کے ناجائز محاصل، شراب کی کھلی اجازت، قحبہ گری اور فواحشات کی عام اشاعت اور اس سے حاصل شدہ روپیہ پیسہ سے پوری نہیں کی جائے گی بلکہ اس کو مسلمان اپنے چندوں سے پوری کریں گے اور اس میں بھی یہ ضروری ہے کہ جائز آمدنی کو اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ صرف کیا جائے۔ اسلام جہاد میں بھی دنیا کے تمام (باقی برصفحہ آئندہ)

وقف لازم

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَاءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا

(اے مخاطب) تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا ہے تحقیق نہیں ہوا ۔ جب کہ ان لوگوں نے اپنے

لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ

ایک پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اللہ کی راہ میں (جالوت سے) قتال کریں ۔ اُن پیغمبر نے فرمایا کہ کیا یہ احتمال ہے

عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ

کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جاوے تو تم (اس وقت) جہاد نہ کرو ۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے واسطے ایسا کون سبب ہوگا کہ ہم اللہ کی

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ

راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم اپنی بستیوں اور اپنے فرزندوں سے بھی جدا کر دیئے گئے ہیں ۔ پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا

الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ○

حکم ہوا تو باستثناء ایک قلیل مقدار کے (باقی) سب پھر گئے ۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں ۔

"کیا تجھے خبر نہیں موسیٰؑ کے بعد بنو اسرائیل کی ایک جماعت کی، جبکہ انھوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک امیر مقرر کر دیجئے تاکہ ہم خدا تعالیٰ کی راہ میں قتال کریں (اس پر نبیؑ نے) کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا جائے تم نہ کرو؟ وہ بولے کہ بھلا ایسا کب ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کی راہ میں نہ لڑیں دراں حالیکہ ہم کو وطن سے بے وطن کیا گیا، بچوں سے جُدا کیا گیا، لیکن (ہوا یہ کہ) جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو وہ سب پھر گئے بجز معمولی تعداد کے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مذاہب اور قوموں سے منفرد ہے اس کی پوری تیاری پاکیزہ آمدنی اور محاصل ہی سے ہوگی جس سے بتانا مقصود یہی ہے کہ پاکیزہ مقاصد کے لیے یہ جنگ ہو رہی ہے جنگ زرگری، ہوس ملک گیری اس جہاد کا مقصد نہیں، خدا تعالیٰ کا اندازِ خطاب تحریک چندہ کا کیا بلیغ عنوان اختیار فرمایا کہ "قرض حسنہ"، سبحان اللہ اس نقطہ سے کن پاکیزہ حقائق کی جانب اشارہ فرمایا۔ المنار میں ہے کہ "ذکر حکم هذا الانفاق فی سبیل الله بعبارة تستفز النفوس واسلوب یهز الهمم ویبسط الاکف بالکرم" قرآن حکیم کی اصلاح میں قرض حسنہ سے ہر وہ چندہ مراد ہے جو قومی اور ملی مقاصد کے لیے کیا جائے لیکن اس موقعہ پر مصارف جہاد میں "بذل مال" مراد ہوگا۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ ہر اچھے معاوضہ والے قرض کو "قرض حسنہ" اور بُرے معاوضہ والے کو "قرض سیئہ" سے تعبیر کرتے ہیں قرآن مجید نے اس موقعہ پر انھیں کے محاورہ کو دہرا دیا۔ امام کے الفاظ یہ ہیں "القرض هو كل ما يفعل ليجازى عليه تقول العرب لك عندي قرض حسن او قرض سيئ" خدا تعالیٰ ہی کا سب کچھ دیا ہوا ہے اور جو کچھ جہاد میں خرچ ہوگا اس کے فوائد بھی عامۃ المسلمین اٹھائیں گے مگر حضرت منعم حقیقی کے افضال کہ اس خرچ پر اجر اور نہ صرف اجر بلکہ المضاعف کا وعدہ واللہ لا یخلف المیعاد۔

ایک قوم کا جہاد سے فرار اور اس کے تلخ نتائج

ملاٴ سے قوم کے سردار مراد ہیں یہ لفظ بھرنے اور لبریز ہونے کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے رؤسا، قوم کو عربی زبان میں ملاٴ اس لیئے کہا جاتا ہے کہ ان کا بھی دلوں پر اثر اور آنکھیں ان کے رعب و جلال سے لبریز ہوجاتی ہیں یہ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنواسرائیل کا ایک حصہ بن گئی تھی جیساکہ قرآن مجید نے بھی تصریح کی کہا جاتا ہے کہ وہ نبی اور پیغمبر جن سے اس قوم کی یہ گفتگو قرآن مجید نے نقل کی یا حضرت شمعون علیہ السلام تھے یا یوشع علیہ السلام اور بقول بعض حضرت شموئیل تھے انھوں نے اپنے عہد کے نبی سے یہ درخواست کی کہ آپ جہاد کے لیئے کوئی سپہ سالار متعین کردیں جس کی زیر کمان ہماری جنگ ہو، لیکن پیغمبر کیونکہ ان سرکشوں کی عادت سے خوب واقف تھے کہ یہ پہلے درخواست کرتے ہیں اور پھر جان چراتے ہیں اس لیئے انھوں نے معاً فرمایا کہ اندیشہ یہ ہے کہ فرضیتِ جہاد کے بعد کہیں تم بزدلی کا مظاہرہ نہ کرو، بولے کہ بھلا یہ ممکن بھی ہے کہ ہم فرض جہاد سے جی چرائیں حالانکہ علاوہ اس کے کہ جہاد من جانب اللہ ایک فرض ہوگا جس کا ادا کرنا ہمارے لیئے ضروری ہے خود ایسے اسباب اور محرکات بھی موجود ہیں کہ دشمن قوموں سے لڑنا ہمارا دلی اور طبعی تقاضہ ہے اور وہ یہ کہ ان ظالموں نے ہم کو وطن سے بے وطن کیا، ہمارے لڑکوں کو ہم سے جدا کیا، کیا ایسے حوادث اور ان کے مظالم پر ہم ان سے جنگ نہ کریں ہم تو خود ہی ان سے لڑتے، بس صرف خدا تعالیٰ کی اجازت کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں، کہتے ہیں کہ جالوت کی قوم مصر اور فلسطین کے درمیان رہتی تھی تو ان کے تقریباً چار سو نوجوان لڑکے گرفتار کرلیئے گئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ان پر جہاد فرض کردیا گیا اور ان کی اس طرح درخواست پوری کردی گئی تو سب جہاد سے بھاگ گئے۔ بجز چند آدمیوں کے جو اپنے وعدہ پر قائم رہے، کہتے ہیں کہ تین سو تیرہ ۳۱۳ آدمی صرف رہ گئے تھے،

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا

اور ان لوگوں سے اُن پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا کہنے لگے

أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ

اُن کو ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہوسکتا ہے حالانکہ بہ نسبت اُن کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو تو کچھ

سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي

مالی وسعت بھی نہیں دی گئی اُن پیغمبر نے (جواب میں) فرمایا کہ (اول تو) اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں ان کو منتخب فرمایا ہے اور

الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

(دوسرے) علم اور جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے اور (تیسرے) اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہیں دیں اور (چوتھے) اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ

جاننے والے ہیں۔ اور ان سے اُن کے پیغمبر نے فرمایا کہ ان کے (منجانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجاوے گا

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ

جس میں تسکین (اور برکت کی چیز) ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم السلام چھوڑ گئے ہیں

تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

اس صندوق کو فرشتے لے آدیں گے اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو

اور ان لوگوں سے ان کے نبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو امیر مقرر کر دیا وہ بولے کہ بھلا وہ ہمارا کیسے امیر ہو سکتا ہے حالانکہ ہم تو اس سے زیادہ امیری کے مستحق ہیں اور اسے تو مال تک میں ہم پر کوئی فوقیت حاصل نہیں اس پر پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے اس کو تمہارے مقابلہ میں انتخاب کر لیا ہے اور اسے علم وجسم میں کشادگی دی گئی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اس کی امارت کا نشان یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق از خود جائے گا جس میں سامان تسکین تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں بھی جنہیں آل موسیٰ اور آل ہارون چھوڑ گئے ہیں۔ اس صندوق کو فرشتے لے آئیں گے بیشک اس واقعہ میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

قوم کی سرکشی اور بلاوجہ معاندت

طالوت عجمی نام ہے جیسا کہ جالوت، داؤد وغیرہ۔ عربی قاعدہ کے مطابق عجمہ اور تعریف کی وجہ سے ان اسماء کو غیر منصرف پڑھا جائے گا۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے ملکاً حال واقع ہو رہا ہے ارشاد یہ ہے کہ جب ان کے نبی نے ان سے یہ کہا کہ خدا تعالیٰ نے طالوت کو تمہارے اوپر امیر بنا دیا۔ تو ان سرکشوں نے طالوت کی امارت کو بہت ہی بعید بلکہ حیرت انگیز سمجھا حالانکہ نبی نے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ انتخاب میرا نہیں بلکہ منجانب اللہ ہے لیکن اس تصریح کے باوجود یہ نہ ملنے اور کہنے لگے کہ ریاست و امارت، کے آن و بان کو باقی رکھنے کے لئے روپیہ پیسہ، مال و دولت تھوڑی بہت نہیں بلکہ ڈھیروں چاہیئے اور ان صاحب کا یہ حال ہے کہ جسم پر کپڑے بھی نہیں مالی وسعت کے اعتبار سے ان سے اچھی حالت تو ہماری ہی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ انھوں نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ بنو اسرائیل میں نبوت لاوی ابن یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں چلی آتی تھی اور حکومت وشاہنشاہی یہودا کے خانوادہ میں۔ اور یہ طالوت بن یامین کی اولاد میں سے تھے اصولاً جن کے یہاں حکومت وفرماں روائی کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ کہتے ہیں کہ طالوت پانی بھرنے کا کام کرتے تھے اور بعضوں نے لکھا ہے کہ چمڑا رنگنے کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ ان کے دور کے پیغمبر نے خدا تعالیٰ سے جب دعاء کی کہ قوم پر کسی کو سردار کی حیثیت سے مامور کر دیجئے تو غیبی طور پر ایک لکڑی نمودار ہوئی جس کے متعلق حکم تھا کہ اس کے مطابق قد وقامت میں جو ہوگا وہی قوم کا سردار ہوگا خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس لکڑی کے مطابق سوائے طالوت کے اور کسی کا قامت تھا ہی نہیں۔ نبی نے ان کی اس خواہ مخواہ کی اینچ پر پھر فرمایا کہ ان کے لئے سب سے بڑا امتیاز یہی ہے کہ ان کو کسی اور نے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے پیغمبر کی حیثیت سے مامور فرمایا اور خدا تعالیٰ کے معاملہ میں کسی کو اعتراض کا حق نہیں بلکہ یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ اس حکیم علی الاطلاق کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اس اصولی جواب کے علاوہ اور ایسی خصوصیات طالوت کی ذکر فرمائیں جو اُن کے سردار ہونے کے مضبوط دلائل تھے۔ ان دلائل وخصوصیات کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ ان کا تعلق براہ راست سیادت وسرداری سے تھا نسب وحسب کی شرافت اور مال کی کثرت جو عام لوگوں کی نظر میں دلیل سیادت تھی اس سے بڑھ کر بات فرمائی۔

وہ اہم باتیں یہ تھیں کہ طالوت جسمانی طاقت وقوت میں بہت بڑھے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی فنون جنگ وسپہگری کا علم جناب کو ہے دوسروں کو نہیں اور یہی وہ دو چیزیں ہیں جو ایک "فوجی قائد" کو زیب دیتی ہیں نہ کہ مال و دولت یا شرافت خاندانی وغیرہ، ترکیب نحوی کے اعتبار سے "بسطۃ" مفعول ثانی ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ طالوت قدوقامت میں ایسے لمبے تڑنگے تھے کہ پوری قوم بنی اسرائیل میں آپ کی کوئی نظیر نہیں تھا اور ایسے ہی فنون سپہگری خصوصاً مقدمات کے فیصل میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ فوجی قیادت کے لئے جسم کی طاقت اور ڈیل ڈول اور ساتھ ہی فنون جنگ میں مہارت بہت ہی ضروری ہے، یوں بھی ایک لمبے تڑنگے، بلند قامت انسان کو دیکھ کر دلوں پر رعب پڑتا ہے۔ چہ جائے کہ فوجی کہ ان کا تو سارا معاملہ رعب وداب پر ہی ہے اور آخر میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قوموں کی قیادت کی صلاحیت جن کو چاہے دے اس امتیاز کا تعلق وراثت سے نہیں اس کے پاس دینے کے لئے سب کچھ ہے لیکن وہی جانتا ہے کہ کس کو دینا چاہیئے اور کس کو نہیں۔

طالوت کی فوجی قیادت پر ایک قدرتی دلیل

ان لوگوں نے اپنے نبی سے یہ بھی کہا کہ ہم اس طرح ہرگز نہیں مانیں گے کہ یہ خدا کے مقرر کردہ ہیں تم نے کہہ دیا اور ہم نے مان لیا ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ بات جب ہوگی جب یا اپنی خصوصیت پر کوئی نشانی بھی لائیں۔ نبی نے کہا کہ ان کی نشانی یہ ہے کہ یہ وہ صندوق لائیں گے جس میں سامان تسکین ہے۔ کہتے ہیں کہ جنگ کے موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس صندوق کو آگے آگے رکھتے اس کا فوری اثر یہ ہوتا کہ بنو اسرائیل کے دل بندھے رہتے اور وہ جنگ میں بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے۔ گویا کہ اس صندوق میں منجانب اللہ سکون وطمانیت کی یہ برقی قوت تھی۔ اس میں تورات کی تختیاں تھیں موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا ان کے کپڑے تھے اور تورات کے کچھ اجزاء نیز حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے جوتے واللہ اعلم۔ اس تابوت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد قوم کی سرکشی ونافرمانی پر خدا تعالیٰ نے اٹھا لیا تھا، اب فرشتے لے کر آئے تو وہ ظالم اپنی نظروں سے سب کچھ دیکھ رہے تھے بڑی نشانی تھی طالوت کے انتخاب پر بشرطیکہ ایمان بھی ہو ایمان سے خالی دلوں کیلئے تو ایسے ایک نہیں ہزاروں دلائل بیکار ہی ثابت ہوتے ہیں۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ

پھر جب طالوت فوجوں کو لیکر (بیت المقدس سے عمالقہ کی طرف) چلے تو انھوں نے کہا کہ حق تعالیٰ تمہارا امتحان کرینگے ایک نہر سے سو جو شخص (وافر) اس سے

مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً

اس سے پانی پیوے گا تو وہ میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اسکو زبان پر بھی نہ رکھے وہ میرے ساتھیوں میں ہے لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو

بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا

بھرلے سو سب نے اس سے (بے تحاشہ) پینا شروع کردیا مگر تھوڑے آدمیوں نے ان میں سے سو جب طالوت اور جو مومنین ان کے ہمراہ تھے

مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ

نہر سے پار اتر گئے کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی یہ سن کر ایسے لوگ جن کو یہ خیال تھا

يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُوا اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً

کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے کہ کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے

بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ○ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ

غالب آگئی ہیں اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو

قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر استقلال (غیب سے) نازل فرمائیے اور ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب

الْكَافِرِينَ ۞ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ

کیجئے پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو خدا کے حکم سے شکست دیدی اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کرڈالا اور اُن کو

الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم

(یعنی داؤد ع کو) اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور بھی جو جو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعا بعضے آدمیوں کو بعضوں

بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ○

کے ذریعہ سے دفع کرتے رہا کرتے ہیں تو سرزمین (تمام تر) فساد سے پُر ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ○

یہ خدا کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اس سے ثابت ہے کہ آپ بلا شبہ پیغمبروں میں سے ہیں

پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر بڑھے تو بولے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا امتحان ایک دریا کے ذریعہ لینا چاہتے ہیں سو کوئی اگر اس میں سے پانی پی لے گا وہ میرا نہیں اور جو کوئی اسے نہ چکھے سو وہی میرا ہے ہاں اگر کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلّو بھر لے تو اس کا کوئی مضائقہ نہیں لیکن ان سب نے اس میں سے پی لیا بجز ان میں سے تھوڑے سے آدمیوں کے۔ پھر جب طالوت اور مومنین بھی ان کے ساتھ اس دریا سے اتر گئے تو وہ لوگ بولے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں اور وہ لوگ جنھیں یقین تھا کہ اللہ کے روبرو پیش ہوں گے بولے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئی ہیں اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابل آئے تو بولے اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر صبر ڈال دے اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور ہمیں غالب رکھ کافر لوگوں پر، پھر انھوں نے ان کو اللہ کے حکم سے شکست دے دی اور داؤد ع نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے داؤد کو بادشاہت و دانائی عطا کی اور جو کچھ چاہا انھیں سکھایا اور اگر

اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض لوگوں سے دفع نہ کرتا رہتا تو روئے زمین میں فساد برپا ہو جاتا لیکن اللہ تو جہان والوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم ٹھیک ٹھیک ان کو پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں اور آپ یقیناً مرسلین میں سے ہیں۔

قصہ کا آخری حصہ شکست و فتح کے عبرت انگیز مناظر

یہ واقعہ کا وہ حصہ ہے جبکہ طالوت اپنے وطن سے دشمن کے ساتھ لڑنے کے لئے فوجوں کے ساتھ نکلے کہتے ہیں کہ اسّی ہزار فوجیں طالوت کی زیر کمان تھیں شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ ان فوجیوں نے طالوت سے کہا کہ ہمیں پینے کے لئے پانی چاہئے طالوت نے کہا کہ دیکھو ابھی قریب میں ایک نہر آ رہی ہے خدا تعالیٰ اسی نہر کے ذریعہ تم کو آزمائے گا۔ یہ نہر فلسطین کے علاقہ میں واقع ہے اور مقصد غلط کار لوگوں کو فرمانبردار فوجیوں سے جدا کرنا تھا، اس لئے جو شخص اس نہر میں سے خوب سیراب ہو کر پانی پیئے گا وہ میری فوج میں نہ رہ سکے گا اور جو چکھے گا تک نہیں وہ میرے فوجیوں میں سے ہو گا ہاں خدا تعالیٰ کی طرف سے اتنی اجازت ضرور ہے کہ شدید پیاس کو روکنے کے لئے ایک آدھ گھونٹ پی لے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس سے زیادہ پینا بالکل ہی ممنوع ہے۔ لیکن اس شدید مخالفت کے باوجود ان لوگوں نے اس نہر پر پہونچکر خوب ہی پیا۔ بس تین سو تیرہ آدمی ایسے تھے جنھوں نے پانی نہیں پیا، اب جبکہ نہر پر سے طالوت اور ان کے ساتھ یہ مومنین گذر گئے تو کہنے لگے کہ آج تو جالوت کے مقابلہ میں نبرد آزمائی بڑی دشوار معلوم ہوتی ہے یہ جالوت عملیق بن عاد کی اولاد میں سے تھا سنا ہے کہ اس کا وزن تین سو رطل لوہے کا تھا، واقعی اس دیو پیکر انسان کے مقابلہ میں اچھے اچھے جی دار نہیں ٹھہر سکے لیکن ایمان کی طاقت ہی کچھ اور ہے چنانچہ مومنین کی وہ مقدس جماعت جس کو خدا تعالیٰ کے روبرو حاضری اور اپنے اعمال کی جواب دہی کا یقین تھا اور جنھوں نے پانی نہر سے نہیں پیا تھا یا پیا تھا تو بہت کم، کہتے ہیں کہ جنھوں نے ایک آدھ گھونٹ پیا تھا ان کو پھر نہ پیاس لگی اور نہ بھوک اور جنھوں نے خوب پیا تھا ان کے ہونٹ سیاہ ہو گئے اور ایسی پیاس ان کو لگی جو کسی طرح نہ بجھتی تھی۔ بہر حال یہ جماعت بولی کہ یہاں گھبرانے کی کیا بات ہے خدا تعالیٰ اپنی قدرت سے اسی دنیا میں بارہا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو بڑے بڑے لشکروں پر فتح و کامرانی عنایت فرما چکا ہے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم اور مصائب پر صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جالوت کا قتل

جب جالوت اور اس کی فوجیں طالوت کے مقابلہ میں آئیں تو طالوت اور ان کے ساتھی مومنین بولے کہ اے اللہ آج دن بڑا سخت ہے اے خدا ہمارے دلوں کو مضبوط کر دیجیے اور ہم کو ہر حالت میں ثابت قدم رکھئے اور ہم کو کفار پر فتح عطا فرمائیے۔ خدا تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور اول وہلہ میں خدا تعالیٰ نے مومنین کو طالوت کی زیر قیادت عجیب طریقہ پر کامیابی عنایت فرمائی اور جالوت، داؤد نامی ایک نوجوان کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہ داؤد، طالوت کی فوج میں تھے طالوت کی فوجوں میں داؤد بکریاں چرانے پر مامور تھے اور تمام چرواہوں میں سب سے زیادہ کم عمر تھے، خدائے تعالیٰ نے نبی وقت کو وحی کے ذریعہ مطلع کر دیا تھا کہ "جالوت" کو "داؤد" کے سوا اور کوئی قتل نہیں کریگا۔ اس پر نبی وقت نے داؤد کو ان کے باپ سے لے لیا اور راستہ میں تین بڑے بڑے پتھر رکھدیئے اور نبی وقت داؤد سے بولے کہ آپ ذرا ان پتھروں کو تو اٹھائیے اس لئے کہ آپ ہی کے ہاتھوں جالوت کا قتل مقدر ہے۔ داؤد نے یہ تینوں پتھر اٹھائے اور ان میں سے ایک جالوت پر چلایا تو جالوت وہیں ڈھیر ہو گیا۔ طالوت نے اپنی بیٹی کا ان سے نکاح کر دیا لیکن بعد میں ان کے روز افزوں اقتدار سے وہ کچھ خائف سے رہنے لگے

اسی لئے بعض مواقع پر ان کے طرزِ عمل سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ داؤد کے ساتھ حاسدانہ نظر رکھتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا اور ان کی وفات ایسے حالات میں ہوئی کہ ان کا دل داؤد سے بالکل صاف تھا۔

داؤد علیہ السلام، نبوت اور شاہنشاہی

یہی داؤد آگے چل کر بنو اسرائیل کے ایک ممتاز نبی ہوئے، نبوت کے ساتھ ان کو خدا تعالیٰ نے مشرق و مغرب کی حکومت عنایت فرمائی بلکہ بنو اسرائیل میں حکومت داؤد سے پہلے اور کسی کو حاصل ہی نہیں ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے ان کو زرہ سازی کا فن سکھایا پرندوں کی بولیاں یہ سمجھ لیتے اور چوپاؤں کی بولیاں بھی یہ خوب سمجھ لیتے۔

آگے فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ بھی ایک بڑی حکمت ہے کہ ایک سرکش قوم کا دوسری قوم سے قلع قمع کراتے رہتے ہیں اگر دنیا میں قوموں کی اس باہمی آویزش کے نتیجہ میں بدترین انسان یوں ختم نہ ہو جایا کرتے تو خدا تعالیٰ کی یہ مقدس سرزمین فتنہ و فساد سے لبریز ہو جاتی، نہ یہاں چین ہوتا نہ سکون، نہ آدمی کھیتیاں کر سکتے نہ مویشی سے کام لے سکتے، نہ بازار قائم ہوتے اور نہ پرسکون ماحول میں خرید و فروخت ہو سکتی تھی، غرضیکہ پرامن ماحول، سرکش انسانوں سے خالی دنیا بھی خدا تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور اللہ کا یہ بڑا احسان ہے کہ وہ سرکشوں کا قلع قمع کراتا رہتا ہے۔ یہ واقعات جو جالوت و طالوت کے آپ کو سنائے گئے ہیں ساری تفصیلات بڑی عبرت انگیز ہیں بلکہ پیچھے لوٹ جائیے تو محسوس ہوگا کہ اس قوم کا موت کے خوف سے فرار، پھر سب پر موت، پھر ان کی زندگی یہ سب واقعات خود اپنے دامن میں عبرت کے سینکڑوں سامان رکھتے ہیں خدا تعالیٰ نے ان واقعات کو سچی تفصیلات کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا اور آپ تو واقعی نبی ہیں کہ ان واقعات کو تاریخ جانے بغیر آپ ان تفصیلات کے ساتھ پیش کر رہے ہیں بلکہ تاریخ بھی قصص و واقعات کے جن گوشوں پر فراموشی کے پردے ڈال چکی ہے ان کو روشن و واضح آپ پر وحی ہی نے فرمایا[ع]۔

ع قرآن مجید نے اس سے پہلے ایک واقعہ سنا کر یہ دوسرا واقعہ شروع کیا پہلے واقعہ میں نہ قوم کی تعیین تھی نہ زمانہ کی اور نہ اس جگہ کی جہاں پر یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ وہی واقعہ جس میں ایک قوم کے فرار اور پھر سب پر موت کے طاری ہونے کا تذکرہ تھا لیکن اس دوسرے واقعہ میں خدا تعالیٰ نے اتنی تصریح تو فرما دی کہ یہ واقعہ بنو اسرائیل کی قوم کا ہے لیکن زمانہ اور جگہ کا یہاں بھی تعیین نہیں اور وجہ وہی ہے کہ قرآن مجید کے پیش نظر واقعات و قصص کا سنانا نہیں بلکہ ان کے عبرت انگیز پہلوؤں کو سامنے لانا ہے اس لئے ہمارے بعض مفسرین کی یہ کوشش کچھ زیادہ صحیح نہیں کہ وہ بلا وجہ قرآنی قصص کو دوسرے مذاہب کی کتب خصوصاً تورات و انجیل، زبور و عہد عتیق کی داستانوں سے مطابق کرنا شروع کر دیتے ہیں جن مفسرین کے سامنے قرآن مجید کا مقصد رہتا ہے ان کی قرآن فہمی کی کاوشیں اس طرح کی غیر ضروری کوششوں سے محفوظ رہتی ہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ نبی حضرت شموئیل علیہ السلام تھے جو ملک شام کے ایک کوہستانی علاقہ افرائم کے شہر "ارمہ" میں سکونت پذیر تھے، چنانچہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی جلالین شریف میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ المنار میں ہے کہ ھو الشموئیل وھذا اقوی اقوال المفسرین بعض مفسرین نے لکھ دیا ہے کہ یہ نبی حضرت یوشع علیہ السلام تھے حالانکہ یہ بالکل ہی غلط ہے کیونکہ قرآن مجید کی تصریح کے مطابق یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد میں پیش آیا اور یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ان کے خاص رفقاء میں تھے۔ ان لوگوں کی اس درخواست کے جواب میں کہ ہمارا کوئی سردار متعین کر دیجئے یہ جواب کہ کہیں تم تعیین امیر کے بعد جہاد نہ کرو، فراست ایمانی اور قدیم تجربہ کی بنا پر تھا وہ اس قوم کی عادت سے خوب واقف تھے کہ یہ لوگ جذباتی اور ہیجان کے بندے ہیں۔ عسیٰ اس موقع پر (باقی حاشیہ نمبر ۳۵)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ

یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے

(بقیہ حاشیہ ص۳۷) توقع کے معنی میں ہے چنانچہ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے یعنی اتوقع جبنکم عن القتال لیکن قرآن حکیم کی تصریحات کے مطابق نتیجہ وہی سامنے آیا جس کا اندیشہ پیغمبر علیہ السلام نے پہلے ہی ظاہر کردیا تھا ان لوگوں نے خود ہی جہاد کی درخواست کی اور فرضیت کے بعد تامل وتذبذب کی راہ اختیار کرکے خود اپنے حق میں کانٹے بوئے اسی لئے قرآن مجید نے ان کو ظالمین کہا۔ روح المعانی میں ہے کہ هم الذين ظلموا بانفسهم عن القتال و ترك الجهاد بلکہ طالوت کے تقرر پر بھی ان کو بے جا اعتراضات سوجھ گئے یہ اعتراض واقعی نہیں بلکہ ان کے دلوں کا خبث تھا جو باتوں سے ظاہر ہونے لگا چنانچہ ابن جریر میں ہے کہ فلما بعث لهم ملكا انكروا ذلك وعجبوا یہ طالوت بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہی ساول تھے שאול جن کا ذکر تورات میں موجود ہے۔ المنار میں ہے کہ الظاهران طالوت تعريب تشاول تورات میں بھی ان کی طول قامتی کا خاص طور پر تذکرہ موجود ہے۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ بنو اسرائیل میں دو خاندانی سلسلے تھے جن میں سے ایک شاخ کی اولاد انبیاء ہوتے اور دوسری شاخ والے بادشاہ کی حیثیت سے منتخب ہوتے یہ طالوت ان دونوں شاخوں میں سے کسی سے بھی تعلق نہ رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ بنو اسرائیل ان کو حقیر سمجھ رہے تھے لکھا ہے کہ وكان فى بنى اسرائيل سبطان سبط نبوة وسبط مملكة ولم يكن طالوت من سبط نبوة ولا من سبط المملكة۔ لیکن حضرت شموئیل نبی نے ان کو سب سے پہلا جواب تو یہی دیا کہ خدا تعالیٰ نے جب ان کو بحیثیت امیر منتخب کرلیا تو پھر تم کو اس انتخاب پر قیل وقال کی جرأت کیسے ہو رہی ہے اور ساتھ ہی اس منصب کے لئے طالوت میں موجود دو اہم خصوصیات کا خاص طور پر ذکر فرمایا ایک یہ کہ طالوت فنون اور علوم حربیہ میں خاص طور پر ماہر ہیں یہاں علم سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فنون حربیہ ہی مراد لئے ہیں چنانچہ روح المعانی نے ان کا قول نقل کیا ہے ای علم الحرب اور صاحب مدارک نے بھی یہی تحقیق نقل کی ہے اور دوسری اہم بات ان کے متعلق یہ بھی بتائی کہ وہ قوت جسمانی میں بے نظیر ہیں جو ایک فوجی انسان کے لئے نہایت ضروری وصف ہے آج بھی فوجی مناصب پر تندرست وتوانا، ڈیل ڈول کے افسران کا چھانٹ چھانٹ کر تقرر اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ فوجی زندگی میں خاص اس وصف کی کیا قیمت ہے قرآن مجید کی بلاغت کہ ان کا نام ہی طالوت ذکر کیا ہے جس سے ان کی طول قامتی کی طرف خاص طور پر ذہن منتقل ہوتا ہے۔ جس تابوت کے متعلق قرآن مجید نے بتایا کہ طالوت اس کو لائیں گے اس کا اصطلاحی نام تابوت سکینہ ہے مفسرین نے اگرچہ اس کے متعلق بڑے افسانے لکھے ہیں لیکن چھن چھنا کر جو بات ہاتھ لگتی ہے اس سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی ایک نہایت اہم قومی وراثت تھی اس میں تورات کا اصلی نسخہ موجود تھا جس کے شرف وتقدس کے بنو اسرائیل خاص طور پر قائل تھے، سفر وحضر میں اس کو ساتھ رکھتے بلکہ بعض انبیاء علیہم السلام کے اس میں ملبوسات وتبرکات بھی تھے۔ تاریخ کا یہ عجیب ستم ہے کہ فلسطینی جس دن اس تابوت کو چھین کر لائے اسی لمحہ سے ان کے یہاں مصائب کا ہجوم رہا کبھی کوئی مصیبت تو کبھی کوئی ادبار۔ انھوں نے سوچا کہ یہ معاذ اللہ اسی تابوت کی نحوست ہے اور جیسے کیسے ہو اس کو جلد اپنے یہاں سے نکال پھینکو۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک گاڑی میں رکھ کر بغیر گاڑیبان کے فلسطینیوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ بیل گاڑی لے کر سیدھے بنو اسرائیل کی حدود میں پہونچ گئے قدرت نے یہ سب اسباب پیدا کئے اس لئے تحمله الملئكة سے انھیں تکوینی تصرفات کی جانب اشارہ فرمایا۔

اس تابوت کے اس عجیب وغریب طریقہ پر دوبارہ آجانے میں بنو اسرائیل کے لئے طالوت کے تقرر پر بڑی غیبی دلیل تھی (باقی بر ص۳۹)

مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۚ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں (یعنی موسیٰ) اور بعضوں کو ان میں بہت سے درجوں میں سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو کھلے کھلے

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس (یعنی جبرئیل) سے فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو امت کے، جو لوگ ان کے بعد ہوئے ہیں باہم قتل و قتال

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ

نہ کرتے بعد اس کے کہ ان کے پاس (امر حق) کے دلائل پہونچ چکے تھے ولیکن وہ لوگ باہم (دین میں) مختلف ہوئے سو ان میں کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر

(بقیہ حاشیہ ص۳۸) فوجی زندگی میں ڈسپلن نظم وضبط، قائد الجیوش کے تمام احکام کی پابندی فوجی مہم کی کامیابی کا ایک زبردست راز ہے اور ضروری ہے کہ کسی اہم مہم پر روانہ ہونے سے پہلے خاص اس حیثیت سے بھی جائزہ لینا چاہیئے کہ فوج میں کتنے اپنے کمانڈر کے حکم پر جان دینے والے اور کتنے ہیں جو حکم کی رعایت نہ کرنے والے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے یہ پانی کا مسئلہ پیش کردیا مفسرین نے لکھا ہے کہ دریا سے یہاں دریائے یردن مراد ہے۔

طالوت نے جو پابندی عائد کی وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھی پہلا حکم عزیمت سے تعلق رکھتا ہے یعنی کوئی شخص قطعاً پانی استعمال نہ کرے اصل بات تو یہ ہے لیکن موسم گرما، شدت کی پیاس ایک آدھ چلو میں کوئی مضائقہ نہیں یہ تھی رخصت، لیکن ان ظالموں نے بجز قلیل تعداد کے خوب سیراب ہو کر پیا اور اس طرح اس اہم تاریخی مہم کا ایک بڑا عنصر کٹ کر علیحدہ ہو گیا، چنانچہ جالوت کی دیو پیکر فوجوں سے مقابلہ کے وقت میں کچھ مومنین کے قلب میں ایک قدرتی خطرہ پیدا ہوا جس کو دوسرے خدا تعالیٰ کے نیک بندوں نے یہ کہہ کر ختم کردیا کہ شکست و فتح کا تعلق قوت وطاقت پر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی نصرت پر ہے اور نصرت صبر وایمان، ثبات ویقین پر موقوف ہے۔

چنانچہ جالوت مارا گیا اور اس کے لشکر کو زبردست شکست اٹھانا پڑی۔ حضرت داؤد علیہ السلام مشہور نبی ہیں قرآن مجید میں تقریباً ۱۶ موقعہ پر آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ طالوت کی فوج میں محض ایک فوجی کی حیثیت سے شریک تھے لیکن اس کارنامہ کے بعد بڑا نام پیدا کیا اور نبوت سے سرفراز ہوئے۔ طالوت اور داؤد علیہ السلام کی رقابت کا جو افسانہ غیر محقق مفسرین نے نقل کیا ہے وہ محض اسرائیلات کی ہفوات ہیں افسوس ہے کہ صاحب مدارک نے بھی اس کو نقل کردیا۔ تمام محققین نے اس طرح کی باتوں کی بھرپور تردید کی ہے قرآن مجید نے آخر میں بتایا کہ جہاد کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کا مقصد سرکش قوموں کی بڑھتی ہوئی طغیانی کا قلع قمع ہے اسلامی جہاد کا بس ہمیشہ سے یہی مقصد رہا خواہ مخالف کچھ بھی کہیں انک لمن المرسلین سے بتادیا کہ اہم تاریخی حقائق کو اس دیدہ وری سے پیش کرنا آپ کا کام صرف اس لئے ہے کہ آپ نبی مرسل ہیں ورنہ جن حقائق کو اسرائیلات کی تصانیف نے دستبرد زمانہ کردیا ان کے چہرہ پر سے نقاب کشائی کسی انسان کا کام نہیں۔

الحمد للہ آج ۲۰ رذی الحجہ ۱۳۸۷ھ بروز ہفتہ کو سیقول کے پارہ کی تفسیر وتشریح سے پوری فراغت ہوئی اب تیسرا پارہ زیر قلم ہے۔ خدا تعالیٰ کے احسانات وانعامات کے لئے شکر یہ ادا کیا جائے پچھلے چند رکوع کی تشریح وتفسیر سفر حج میں نصیب ہو کر پارہ ختم ہو رہا ہے تو خاکسار مہبط وحی سرزمین مکہ زاد اللہ شرفاً میں مقیم ہے وللہ الحمد۔

مَّنۡ كَفَرَ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلُوۡا ۟ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ۝ (ع)

رہا اور نوبت قتل وقتال کی پہونچی، اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل وقتال نہ کرتے　لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں

ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے ان میں سے بعض کے درجے ان سے بلند کئے ہیں اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو شواہد عطا کئے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس کے ذریعہ سے کی اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو ان کے بعد کے لوگ آپس میں خونریزی نہ کرتے بعد اس کے کہ ان کے پاس شواہد آچکے تھے لیکن لوگ آپس میں جھگڑے کوئی تو ان میں سے ایمان لے آیا اور کوئی ان میں سے کفر ہی کرتا رہا اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو وہ آپس میں خوں ریزی نہ کرتے لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو ارادہ کر لیتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کے فضائل وامتیازات

ان آیات میں "رسل" سے اشارہ ان انبیاء علیہم السلام کی طرف ہے جن کا تذکرہ اس سورت میں آیا مثلاً حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت داؤد علیہ السلام تک اور ہو سکتا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام مراد ہوں جن کا علم جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کرایا گیا تھا۔ جو فضیلت ان انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر ہے اس سے مراد وہ امتیازات ہیں جو نبوت ورسالت کے بعد عطا کئے گئے۔ مطلب یہ ہے کہ نبوت ورسالت میں تو سب شریک ہیں اب رہ جاتے ہیں کچھ خصوصی امتیازات سو اس میں ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایمان میں تمام مسلمان ایک ہی ہیں

ع آج جمعہ ہے اور ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ اس نالائق پر خدا تعالےٰ کے لا تعداد ولا تحصیٰ انعامات ہیں جن کے شکر کی توفیق کا خود موفق حقیقی سے طالب ہوں اس سال ایک عظیم احسان وانعام یہ ہے کہ زیارت حرمین زادہما اللہ شرفاً کی حاضری نصیب ہوئی، اب کہ یہ سطور زیر قلم ہیں تو یہ عاصی مسجد نبوی میں حاضر ہے قلم ہاتھ میں ہے اور گنبد خضراء پیش نظر اللہ اللہ یہ بھی ایک لطیفہ قدرت ہے کہ تلک الرسول کے پارہ میں فداہ روحی وامی وابی جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے آج غائبانہ نہیں بلکہ چند گزوں کے فاصلہ کی حضوری نصیب ہے ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔ میں اس مکرر نعمت پر خدا تعالیٰ کا کیسے شکریہ ادا کروں قارئین سے التماس ہے کہ اس حاشیہ کو پڑھتے ہوئے میرے لئے بار بار حاضری وحضوری حرمین کی پُرخلوص دعا کریں جیسا کہ میں اپنے تمام ناظرین کے لئے دولت زیارت حج کی پرخلوص دعا کرتا ہوں، خدا تعالیٰ ایمان عمل صالح، استقامت اور اعتصام بالسنۃ کی دولتوں سے سرفراز فرمائے، اے گنبد خضراء کے مکین باشرف وتمکین، کوہ وقار وعظمت مجسّم، محبوب رب العالمین، خاتم الانبیاء اور افضل البشر آپ صلعم پر نازل وحی صادق کی یہ تفسیر اور ترجمہ آپ کے ایک غلام ابن غلام ابن غلام الخ کے قلم سے ہے کریم کے باب سے کبھی کوئی محروم نہیں اٹھا پھر آپ کی سخاوت وسماحت جود وکرم کے واقعات حدیث کے ذخیرہ میں اس تیرہ باطن نے خوب پڑھے، اے ابن کریم، ابن کرام خدارا اپنی شفاعت سے محروم نہ رکھنا عتق من النار ونجات من العذاب کا خدا کرے پروانہ حاصل ہو، اے نبوت کبریٰ وشفاعت عظمیٰ کے تاجدار موت ایمان پر ہو حشر ونشر آپ کے امتی کی حیثیت سے ہو، خدا کرے کہ یہ تفسیر اور ترجمہ، حواشی اور اضافے خدا تعالیٰ کے یہاں اور آپ کی آرام گاہ قدس میں مقبولیت پائیں ع این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔ شاہا مجھ کتب وخائب کی علالت سہ سالہ، ناتوانی وضعف (باقی برصفحہ

لیکن پھر اپنی طاعت، تقویٰ، طہارت اور حسن عمل کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز اور ایک دوسرے پر فائق ہیں۔ پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ خود ہی وہ اوصاف اور امتیازات ذکر فرما رہے ہیں جن سے بعض حضرات انبیاء علیہم السلام کو ممتاز کیا گیا چنانچہ ارشاد ہے کہ بعض حضرات سے ہم نے کلام کیا یعنی کسی درمیانی واسطہ کے بغیر کلام کیا ورنہ ظاہر ہے کہ یوں تو کلام خدا تعالیٰ نے سب ہی انبیاء سے کیا لیکن یہاں خصوصیت سے تذکرہ ان کا ہے جن سے بلا واسطہ کلام فرمایا۔ مفسرین کی رائے ہیں اس سے مراد سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

فرماتے ہیں کہ اور بعض انبیاء، کے ہم نے مراتب بلند کر دیئے، ترکیب نحوی کے اعتبار سے بعضہم رفع کا مفعول اول ہے اور درجات مفعول ثانی۔ مطلب یہ ہوا کہ نبوت و رسالت کے بعد بعض انبیاء کو دوسرے انبیاء پر مراتب فوقیت عطا کی، تمام مفسرین نے اس آیت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد لی ہے، آپ کی خصوصیات وہ ہیں جو دوسرے انبیاء میں موجود نہیں۔

(۱) آپ تمام انسانوں کی جانب مبعوث کئے گئے جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا دائرہ خطاب مخصوص اقوام سے ہوا۔

(۲) آپ کو وہ معجزات عطا کئے گئے جن کی تعداد بھی مشکل ہے ان میں قرآن مجید سب سے بڑا معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا ان شاء اللہ

یہاں یہ نکتہ بھی خاص طور پر قابل غور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بصراحت نہیں لیا گیا۔ بیان و معانی کے ماہر کہتے ہیں کہ اس طرح کے مواقع پر یہ ابہام اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ اپنے ان اوصاف و امتیازات میں وہ شہرت رکھتے ہیں جن کی بناء پر سننے والے کا ذہن صرف آپ ہی کی طرف جائے گا کسی اور کی طرف منتقل ہو ہی نہیں سکتا۔ بعض مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ ان آیات میں صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد نہیں بلکہ آپ کے ساتھ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذات والا صفات بھی پیش نظر ہے بلکہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام مقصود ہیں جن کو اولوالعزم انبیاء کہا جاتا ہے مثلاً سیدنا موسیٰ، نوح وغیرہ علیہم السلام۔ واللہ اعلم۔

ارشاد ہے کہ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم ؑ کو کچھ ایسے معجزات عطا کئے جو بے حد واضح تھے مثلاً وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے مردہ کو زندہ کرتے مادر زاد اندھا باجازت خدا تعالیٰ ان کے دم سے بینا ہو جاتا، کوڑھ کے مریض ان کے نفوس عیسوی سے بحکم رب بھلے چنگے ہوتے، اور اس کے علاوہ دوسرے اہم معجزات نیز سیدنا جبرئیل علیہ السلام سے ان کی بھرپور تائید کی گئی، بعض علماء کی رائے ہیں روح القدس سے "انجیل" مراد ہے لیکن یہ قول بہت ہی ضعیف ہے۔

مشیت الٰہی یونہی تھی

فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ان واضح معجزات کے بعد باہمی اختلاف ہرگز نہ ہونا چاہیئے تھا لیکن ہوا اور تاریخ ان ہولناک واقعات سے لبریز ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی مشیت یوں ہی تھی کہ دنیا میں انبیاء کے بعد حقائق و واقعات میں شدید اختلاف رونما ہوا اور ایسا ہوا کہ کچھ ایمان لے آئے اور کچھ نے کفر و انکار کی راہ اختیار کی اور یہ سب کچھ ہمارے تکوینی فیصلہ ہی کے مطابق تھا گویا کہ کسی نبی کی زندگی اور اس کی زندگی کے بعد اس کی تمام امت اطاعت و انقیاد پر اتفاق نہ کر سکی بلکہ زندگی اور زندگی کے بعد اختلافات کی آگ برابر بھڑکتی رہی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰) میرے خدا کے بعد آپ پر خوب عیاں ہے آپ اگر دعاء فرما دیں تو یہ جاں گسل بیماری سے نجات پائے، خاتم النبیین گناہوں کی اندھیریاں گھٹاٹوپ ہیں کاش کہ آپ کی عنایت و استغفار سے یہ تاریکیاں حسن عمل، نجات اور مغفرت کی نورانیوں سے بدل جائیں، میرے آقا ان دعاؤں میں میں تمام مسلمانوں کو عموماً اور اپنے ناظرین کو خصوصاً شریک کرتا ہوں، اپنے والدین، مشائخ، اساتذہ اور اکابر محسنین کو اللّٰھُمَّ تقبّل منا فانک تعلم ما فی انفسنا ولا نعلم ما فی نفسک اللّٰھُمَّ صل علی سیدنا محمدؐ و علی آلہ واصحابہ ما تحب وترضی وعدد ما تحب وترضی

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ ہوا وہ خدا تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق تھا کائنات کا کوئی ذرہ خدا تعالیٰ کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا۔ اسی حقیقت کو سامنے لانے کے لئے دوبارہ ولو شاء اللہ سے ارشاد فرمایا۔ اس ارشاد سے معتزلہ کا یہ خیال بھی قطعاً غلط ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ تو چاہتے تھے کہ اختلاف نہ ہو لیکن اس کے باوجود ہوا، یہ خیال سخت حماقت ہے خدا تعالیٰ کسی ابہام کے پردہ میں نہیں بلکہ بصراحت فرما رہے ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ ہمارے فیصلوں کے بالکل مطابق تھا۔

آخر میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ جو چاہتے ہیں ہوتا ہے وہی۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے اپنے لئے ارادہ ثابت کیا اور اہل سنت والجماعت کا مسلک یہی ہے۔

ع۵ آیات میں فضائل انبیاء علیہم السلام سے متعلق ایک اہم بحث کا آغاز ہے وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ "فضل" کے معنی بزرگی کے ہیں یعنی کسی شخص میں ایسے نیک و پسندیدہ اوصاف کی موجودگی جن کی بناء پر دنیا میں اس کی تعریف کی جائے اور آخرت میں انھیں اوصاف پر اس کو اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جائے لیکن فضلنا میں ضمیر متکلم استعمال کر کے اس اہم حقیقت کی طرف بھی توجہ دلا دی کہ یہ سارے فضائل انبیاء علیہم السلام کو ہم نے عطا کئے ہیں کسی کی ذاتی کوشش کو اس میں کوئی دخل نہیں اس لئے تمام انسانوں کے لئے وہ بہر حال یکساں مطاع اور مکرم و محترم ہیں۔ تمام مفسرین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ کسی ایک نبی کو دوسرے نبی کے مقابلہ میں کمتر اس طرح سمجھنا جس سے اس کی اہانت ہوتی ہو کفر ہے، قرآن مجید میں بھی ہے کہ لا نفرق بین احد من رسلہ یعنی ایمان کا تقاضا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں باہم تفریق اس حیثیت سے قطعاً منع ہے کہ کسی کو نبی تسلیم کرلے اور کسی کو نہیں، ایک کو واجب التعظیم جانے اور دوسرے کی توہین کرے معاذ اللہ۔ اور ایسے ہی احادیث میں بھی اس پر بشدت متوجہ کیا گیا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو یونس بن متی پر بھی ترجیح نہ دو۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس مرکزی نکتہ پر پوری توجہ ہے اس لئے صاف لکھ گئے ہیں کہ لیس مقام التفضیل الیکم انما هو الی اللہ عزوجل وعلیکم التسلیم والانقیاد لہ والایمان بہ۔ یعنی تم تو صرف ان پر ایمان لاؤ اور ہر ایک کی پوری اطاعت کرو جو کچھ فضیلت ہے وہ سب منجانب اللہ ہے تمہارا اس سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہیئے۔

تفسیر مظہری میں یہ بھی لکھا ہے کہ علماء اور اولیاء اللہ کے باہمی فضائل کے بارہ میں بھی عوام کو گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیئے ہاں یہ سمجھنا کہ مجھ کو فلاں عالم یا فلاں بزرگ سے زیادہ فائدہ دینی و علمی پہونچتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن ایک بزرگ کے مقابلہ میں دوسرے بزرگ کی توہین یا ایک عالم کو گرا کر دوسرے کی عزت افزائی اہل لطائف نے اس کو ہرگز جائز نہیں رکھا، کلام بلا واسطہ غالباً انبیاء علیہم السلام میں حضرت موسیٰ اور پھر سیدنا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی فرمایا گیا اس لئے مفسرین کی رائے میں من کلم اللہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی مراد ہیں جیسا کہ صاحب مدارک نے بھی لکھا ہے اور ورفع بعضھم درجات کی تفسیر میں اکثر مفسرین آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات ستودہ صفات مراد لیتے ہیں۔ روح المعانی میں ہے کہ المراد ببعضھم ھھنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحر المحیط میں اندلسی نے بھی لکھا ہے کہ وھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھو قول مجاھد قرآن مجید کا یہ اہتمام خاص طور پر پیش نظر رہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے وہ ہمیشہ "ابن مریم" کا تعارفی کلمہ بڑھا دیتا ہے یہ ان کا وہ واقعی تعارف ہے جو درحقیقت کفر و ایمان کا معیار رہے نہ وہ خدا، نہ ابن خدا، نہ خدا کا مظہر نہ ان میں خدا تعالیٰ کا حلول، نہ تین خداؤں میں سے ایک خدا اور ایسے ہی نہ ان کا کوئی باپ بلکہ وہ نفخہ جبریل علیہ السلام سے بامر خدا پیدا ہوئے والدہ ان کی مریم صدیقہ ہیں۔ قرآن مجید نے غالباً ایک بھی موقع پر دباقی بر صفحہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

اے ایمان والو اُن چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے کہ وہ دن (قیامت کا) آجائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی

وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

ہوگی اور نہ (بلا اذن الٰہی) کوئی شفارش ہوگی اور کافر ہی لوگ ظلم کرتے ہیں (تو تم ایسے مت بنو) اللہ تعالیٰ (ایسا ہے کہ اس) کے سوا کوئی عبادت

اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

کے قابل نہیں زندہ ہے سنبھالنے والا ہے (تمام عالم کا) نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے اور نہ نیند اسی کے مملوک ہیں سب کچھ جو آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین

الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

میں ہیں ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس (کسی کی) سفارش کر سکے بدون اس کی اجازت کے وہ جانتا ہے ان کے تمام حاضر اور غائب حالات کو

وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ

اور موجودات اس کے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لا سکتے مگر جس قدر (علم دنیاوی) چاہے اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـــوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○

زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گذرتی اور وہ عالی شان عظیم الشان ہے

اے ایمان والو جو کچھ ہم نے تم کو دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ تجارت کام آئے گی اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور کافر ہی تو ظالم ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے سب کا

(بقیہ حاشیہ صہ ۴۲) کسی بھی نبی کی ابنیت یا والدیت ذکر نہیں کی لیکن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں اس اہتمام کو کبھی ترک بھی نہیں کیا آہ کہ اس اہتمام کے باوجود پھر الوہیت عیسیٰ پر ایمان و اصرار کفر ہے، اور ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ادنیٰ درجہ کی توہین و اہانت بھی کفر صریح جس میں یہود اور گمراہ فرقہ قادیانی مبتلا ہے، قادیانیوں کے کفر اور کفر کے صریح دلائل کے علاوہ یہی دلیل کیا کم ہے کہ ملعون شقی کاذب، رئیس فرقہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے اولوالعزم نبی و پیغمبر کی اپنی تصانیف میں جابجا توہین کی۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ۔ نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ بینات کے تحت میں وہ تمام چیزیں آگئیں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی ہو کلما یدل علی نبوتہ، فقیر مترجم کے ذہن میں آتا ہے کہ اس موقع پر بینات کا خصوصی تذکرہ غالباً اسی لئے ہے کہ ان کی نبوت اس درجہ کھلی اور واضح حقیقت ہے جس کے بعد ان کی الوہیت یا انکار نبوت کا کوئی امکان ہی نہیں رہتا۔ روح القدس سے مراد اسلامی شریعت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں عیسائیوں کے اقانیم ثلثہ سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں مشیت الٰہی تمام تدابیر پر غالب ہے جو کچھ ہو رہا ہے وہ خدا تعالیٰ کے امر اور حکم سے ہے۔ آیات کے خاتمہ پر یہ حقیقت خوب واضح کر دی گئی۔

سنبھالنے والا ہے اسے نہ اونگھ آسکتی ہے نہ نیند، اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ایسا کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے سفارش کر سکے وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اس سب کو۔ اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو بھی نہیں گھیر سکتے سوا اس کے جو وہ خود چاہے اس کی کرسی نے زمین و آسمان کو سمار رکھا ہے اور اس پر ان کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں اور وہ بڑی شان والا اور بڑی عظمت والا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرو

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت میں خاص طور پر جہاد میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے لیکن دوسرے مفسرین کی رائے ہے کہ تمام ہی صدقات واجبہ کو ادا کرنے کی ترغیب ان آیات میں دلائی گئی ہے۔ ارشاد ہے کہ اگر اب خرچ نہ کروگے تو عنقریب وہ دن آنے والا ہے جس میں تم دنیا میں امساک و بخل کی تلافی کرنا چاہوگے بھی تو ممکن نہ ہوگی کیونکہ اس دن خرید و فروخت کا دروازہ بھی بند ہوگا اس لئے کچھ خرید کر بھی نہیں دے سکوگے نہ دوستی کارآمد ہوگی کہ کسی دوست سے لے کر واجبات کی ادائیگی کر سکو اور نہ شفاعت ہی چل سکے گی کہ کفار اس پر بھروسہ کریں، رہ گئے مومنین تو ان کے لئے شفاعت کی اجازت ہوگی گو خود شفاعت نہ کر سکیں گے ہاں اجازت کے بعد شفاعت ان کی قبول ہوگی اور کفار نے تو خود اپنے پر بڑا ظلم کیا کہ اس جیسے اہم دن کے لئے پہلے سے کوئی تیاری نہیں کی۔ اور ہو سکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کفار اس دن محسوس کریں گے کہ سب سے زیادہ خود کو نقصان پہنچانے والے وہ خود ہی تھے۔

خدا تعالیٰ کا مکمل تعارف

ارشاد ہے کہ معبود برحق صرف ہم ہی ہیں ہمارے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے (۱) اپنے اسم اور خبر نیز بدل موضع کے ساتھ محل رفع میں ہے کیونکہ یہ خبر ہے محذوف مبتدا کی، مبتدا محذوف "ھو اللہ" ہے، اللہ سدا زندہ ہے اس پر کبھی فنا طاری نہیں ہوگی، مخلوق کی نگرانی اور ان کے تمام کاروبار کی پوری ذمہ داری اسی پر ہے اس کو اونگھ جو نیند کا پیش خیمہ ہے نہیں آتی اور نہ نیند ہی اس پر غالب ہے مفضل کہتے تھے سنۃ (اونگھ) کا تعلق سر کی گرانی سے ہے اور نعاس آنکھوں سے تعلق رکھتا ہے اور رہ گئی نوم (نیند) سو اس کا تعلق دل سے ہے، معنوی اعتبار سے نیند، اونگھ وغیرہ کی نفی، گویا کہ قیوم کے مفہوم کی تاکید ہے ظاہر ہے کہ قیوم وہی ہو سکتا ہے جس پر یہ چیزیں غالب نہ آسکیں ورنہ پڑنے سونے والا، ہر وقت اونگھنے والا دوسرے کی نگرانی کیا کر سکے گا، کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی تھی جس میں ان سے کہا گیا تھا کہ آپ ہمارے متعلق دریافت کرنے والوں سے کہدیجئے کہ زمین اور آسمان ہم نے ہی تھام رکھے ہیں اگر ہم کو اونگھ یا نیند آجائے تو بالیقین یہ گر پڑیں۔

زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کی ملکیت ہے اس کی کبریائی کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص اس کے سامنے کسی کی سفارش نہیں کر سکتا اجازت کے بعد اگر سفارش سن لی جائے تو دوسری بات ہے گویا کہ یہ کفار کے ان باطل دعاوی کی تردید ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے بت ہماری سفارش کریں گے۔ مخلوقات کے متعلق تمام علم اس کو ہے ان کے سامنے کا بھی اور ان کے پیچھے کا بھی ھم ضمیر بین ایدیھم و ما خلفھم میں زمین و آسمان کی طرف راجع ہے اور ظاہر ہے کہ زمین و آسمان میں اہل عقل بھی ہیں اس لئے اس ضمیر کے استعمال میں کوئی حرج بھی نہیں تمام انسان مل کر خدا تعالیٰ کے علم و معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ایک دعا کے الفاظ ہیں اللّٰھم اغفر علمک فینا اس دعا میں علم سے مراد معلومات ہی ہیں ایسے ہی ان آیات میں بھی علم سے معلومات ہی مراد ہیں، معلومات کا وہی حصہ انسان کے علم میں آسکتا ہے جو خدا تعالیٰ چاہیں، اس کا علم زمین و آسمان پر محیط ہے۔ کرسی کا ترجمہ علم کیا گیا ہے اور اسی سے "کراسۃ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی علمی دستاویز وغیرہ کے آتے ہیں کراسی زبان عربی میں علماء کے لئے برابر مستعمل ہے، علم کے لئے کرسی کا اطلاق مکان کے اعتبار

سے ہے کیونکہ عالم کی یہی کرسی ہے اس معنی میں یہ آیت ایسی ہوگئی جیسا کہ ربّنا وسعت کل شئی رحمۃ وعلماً ہے یا حکومت مراد ہے کیونکہ ملک کی کرسی سے اس کا مکان مراد ہوگا حضرت حسن اس میں یہی تفسیر فرماتے ہیں۔

اور ممکن ہے کہ کرسی سے تخت شاہی مراد ہو عرش اعظم کے علاوہ کیونکہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں بالکل یہ حیثیت رکھتے ہیں کہ ایک معمولی چھلہ ہو جس کو لق و دق صحرا میں ڈال دیا گیا ہو یعنی کرسی اس قدر عظیم چیز ہے کہ اس کے سامنے آسمان کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتے اور آخری الفاظ حدیث کے ہیں کہ عرش کی فضیلت خود اس کرسی پر ایسی ہے جیسا کہ اس عظیم صحرا کی اس معمولی حلقہ پر۔ اور ہو سکتا ہے کہ کرسی سے خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ مراد ہو کیونکہ اس کے بعد متصلاً فرمایا گیا کہ خدا تعالیٰ پر زمین و آسمان کی حفاظت گراں نہیں ہے وہ اپنی سلطنت اور ملک دونوں کے اعتبار سے بہت بڑی شان والا ہے۔ بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ علی اور متعالی دونوں ایک معنی میں استعمال ہیں اور ان کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان تمام بری باتوں اور صفات سے قطعاً پاک ہیں جو ان کے شایان شان نہیں اور عظیم کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ میں وہ تمام صفات مطلوب و محبوب موجود ہیں جو حضرت کی شایان شان ہیں۔ اس معنی کے پیش نظر آیت الکرسی میں بالکل خاتمہ پر یہ دونوں صفات یعنی علی اور عظیم توحید کے کمالات پر حاوی صفات ہیں اور معبود واحد کی ذات گرامی قدر جن صفات پر پھیلی ہوئی ہونی چاہیئے یہ دونوں صفات ان کی مظہر ہیں

اس مختصر لیکن عظیم ترین سورت کے اہم نکات ولطائف

عجیب وغریب نکتہ یہ ہے کہ "آیت الکرسی" کے جملوں میں حرف عطف استعمال نہیں کیا گیا یہ اس لئے کہ یہ تمام مضمون ایک مسلسل اور غیر منقطع مضمون کی شکل میں پیش فرمایا گیا ہے چنانچہ سب سے پہلے یہ بیان کیا گیا کہ خدا تعالیٰ مخلوق کے تمام معاملات کی تدبیر و نگرانی میں بہت بہتر طریقہ پر مصروف ہیں تمام معاملات کی اس طرح نگرانی فرما رہے ہیں کہ اس میں ذرا سی بھی غفلت اور کوتاہی کو دخل نہیں۔ (۲) ان تمام امور کی تدبیر کا پورا پورا اختیار صرف انہیں کو ہے۔ (۳) یہ سب تدبیری مرحلے ان کی کبریائی وعظمت سے طے ہوتے ہیں۔ (۴) مخلوق کے تمام احوال پر مکمل واقفیت، جو تدبیر کے لئے ضروری ہے انکو بخوبی بلکہ بکمال وتمام ان کو حاصل ہے (۵) ان کا علم نہایت وسیع، غیر محدود اور تمام معلومات کا حصول ان کا امتیاز ہے، جلالت شان اور قدرت کاملہ کی عظمت نے معبود برحق ہونے کا استحقاق صرف انھیں کے لئے مخصوص کر دیا۔

ان مختصر آیات میں جس جامعیت، کوزہ میں موجود دریا کی وسعت، معانی وحقائق کا گراں مایہ خزانہ، لطائف ونکات کی وسیع کائنات پنہاں ہے اسی کے پیش نظر احادیث میں اس "سورۃ" کے بڑے فضائل آئے ہیں، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا اس کو جنت میں داخل ہونے سے سوائے موت کے اور کوئی چیز نہیں روک سکتی لیکن اس پر مداومت سوائے صدیق اور عابد کے کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتی اور جو شخص رات کو سوتے ہوئے اس کو پڑھ لے وہ خود تمام رات ہر قسم کے شر سے محفوظ رہے بلکہ اس کے پڑوسی محفوظ رہیں اور پڑوسی کے پڑوسی تک محفوظ ہو جائیں اگرچہ پڑوس میں کتنے مکانات کیوں نہ ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ انسانوں کے سردار آدم علیہ السلام ہیں اور عرب کا سردار میں ہوں اگرچہ مجھ کو اس پر کوئی فخر نہیں، ملک فارس کے باعث فخر انسان میرے صحابی سلمانؓ فارسی ہیں، رومیوں کی باعث ناز شخصیت میرے اصحاب میں سے صہیبؓ ہیں اور حبش کے فخر روزگار انسان میرے صحابی بلالؓ ہیں پہاڑوں کے طویل سلسلہ کا بہترین اور مقدس پہاڑ طور ہے (جس پر خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف خطاب عنایت فرمایا)، تمام دنوں میں مبارک دن جمعہ کا ہے

اور تمام کلاموں کا بادشاہ قرآن مجید ہے لیکن خود قرآن مجید میں سردار کی حیثیت سورۂ بقرہ کی ہے اور سورۂ بقرہ کی روح یہی آیت الکرسی ہے نیز آپؐ نے فرمایا جس گھر کے اندر آیت الکرسی پڑھی گئی تیس ۳۰ دن کے لئے وہاں شیطان کو آنے کی جرأت نہیں ہوسکتی اور چالیس روز تک کوئی جادوگر اور جادوگرنی وہاں داخل نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ سونے کے وقت جو شخص آیت الکرسی پڑھے گا اللہ تعالیٰ تمام رات اس کی حفاظت کے لئے ایک فرشتہ مامور فرما دیں گے جو صبح تک اس کی حفاظت کرے گا۔ اور جو شخص صبح کے وقت اس کو پڑھ لے گا شام تک ہر قسم کے شر سے اس کی حفاظت ہوگی۔

بہرحال آیت الکرسی اور حٰم اور مومن کی ابتدائی آیات الیہ المصیر تک اپنی جامعیت اور رفعت مضامین کے اعتبار سے عجیب وغریب آیات ہیں یہ توحید کے بیان پر پھیلی ہوئی آیات ہیں اور ظاہر ہے کہ جن آیات میں اللہ رب العزت کا ذکر ہو اس تذکرہ سے بڑھکر افضل اور بہتر کون سا تذکرہ ہوسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ توحید اور اس سے متعلق علوم کس قدر افضل اور بہتر ہوں گے

ع۵ قرآن مجید کا اختصار، ایجاز، بلاغت اور بے پناہ معانی پر اس کا مکمل حاطہ ہر ایک ہی آیت، آیت کے لفظ، لفظوں کی ترتیب، ترتیب کے نظم ونسق سے ظاہر ہے لیکن اس آیت الکرسی میں تو ایجاز، اعجاز تک بلاغت اپنے انتہائی نقطہ عروج پر اور معنویت وحقائق کا احاطہ کائنات کی وسعتوں سے بھی آگے بہت آگے نکل گیا، یہی وجہ ہے کہ لسان رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ارشادات میں اس آیت کے حسین چہرہ سے کچھ نقاب کشائی فرمائی۔ بقول صاحب فی ظلال القرآن، یہ آیات اسلامی عقیدہ یعنی خدا تعالیٰ کی مکمل وحدانیت انکی حیات وقیومی اور تدبیر مخلوق میں بلا شرکت غیرے مشغولی کے اہم مضامین پر پھیلی ہوئی ہیں لکھتے ہیں کہ وفی ھاتین الاٰیتین من کلیات العقیدۃ الاسلامیۃ الوحدانیۃ والحیاۃ والقیام بامر الخلق والتنزہ عن التراخی بالسنۃ او النوم وملکیۃ الوجو کلہ المعتز عنہ بما فی السموات وما فی الارض ونفی الشفاعۃ عند اللہ الا باذنہ۔

تفصیل کا تو موقع نہیں لیکن آیئے اور آپ بھی کچھ ان حقائق کے انکشاف سے لطف اندوز ہوجئے جن پر یہ آیات فیاضی سے اشارہ کرتی ہیں دنیا مختلف خداؤں کے تصورات میں کچھ اس طرح گم ہوکر رہ گئی کہ شرک اور صنم پرستی کو تو جانے دیجئے کہ اس کی تو بنیاد ہی تعدد اور مختلف بااختیار خداؤں کے غلط در غلط تصور پر قائم ہے خود نصرانیت اور یہودیت کو لے لیجئے جس کے خمیر میں توحید کے ہلکے اور خوشگوار چھینٹے ڈالے گئے تھے تحریفات وتاویلات کے گھنے جنگل میں موحدین کا یہی اگر کردہ راہ قافلہ شرک وتعدد کی بے راہ روی کا شکار ہوکر رہ گیا۔ اسلام آیا، قرآن نازل ہوا اور آیت الکرسی نے بتایا کہ اللہ تو صرف ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ کوئی ایشور نہ کوئی بھگوان نہ دیوی نہ دیوتا نہ عیسیٰ نہ عزیر، اس کی الوہیت تعدد وشرکت کے حدود سے بہت ماورا بلکہ تعدد کا واہمہ بھی اس کی حقیقی عظمتوں کے لئے ایک عیب، ایک نقص اور اس کی بے داغ وحدانیت پر ایک بدنما دھبہ ہے وہ سدا زندہ ہے موت وفنا، عدم ومعدومیت اس کی بقا سے بہت دور ہے۔ بحر روم کے ساحل پر آباد ایک قوم کا تخیل بلکہ عقیدہ ہے کہ سال بھر میں فلاں تاریخ کو العیاذ باللہ خدا تعالیٰ کی موت ہوجاتی ہے اور دوسرے دن وہ از سر نو وجود پذیر ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے یہاں اوتاروں کی موت اور پھر دوسرے جنم میں ان کی آمد۔ انھیں خرافاتی عقائد پر ایک لفظ حی نے بھرپور حملہ کیا۔ قیوم نے بتایا کہ خدا تعالیٰ کی حکومت وسلطنت میں کوئی شریک نہیں ایسا نہیں جیسا کہ عقیدہ عیسائیت کی دنیا اگر بیٹے (عیسیٰ) کی حکومت خدا تعالیٰ کی امداد کے بغیر قائم نہیں مانتی تو ایسے ہی خود باپ (خدا تعالیٰ) کی فرماں روائی وشہنشاہیت کو بیٹے کی مدد کے بغیر نافذ و کارفرما قرار نہیں دیتی۔ قیومیت کے پر وزن لفظ نے گمراہی کے اس فریب خیال کو ایک لمحہ میں اٹھا کر توڑ رکھا اور سمجھا یا کہ وہ اپنی سلطنت وحکومت میں کسی تعاون وامداد کا ہرگز ہرگز محتاج نہیں۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ ۴۷)

(بقیہ حاشیہ صلہ ۴۶) قیوم وہی ہے جو اپنی ذات وبقا، حکومت وسلطنت میں کسی کا محتاج نہ ہو بلکہ اپنے قیام وحیات میں سب اسی کے محتاج ہوں چنانچہ راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ القیوم القائم الحافظ لکل شئ والمعطی لہ ما بہ قوامہ۔ روح المعانی میں ہے کہ القائم بذاتہ والمقوم لغیرہ۔

اوہام پرستوں کے یہاں خدا تعالیٰ نیند سے مجبور ہو کر نیند کی گرفت میں مکمل طور پر آجاتا ہے اور تو اور خود یہود اور عیسائیوں کے خیال میں خدا تعالیٰ نے چھ روز میں آسمان اور زمین کو بنا ڈالا تو ساتویں روز تھک کر خود خدا کو بھی العیاذ باللہ آرام کی ضرورت محسوس ہوئی انھیں غلط اذکار و نظریات پر لا تاخذہ سنۃ ولا نوم سے ضرب کاری لگائی۔

شفاعت اور سفارش سے کام لینے کا موہوم عقیدہ تو باطل مذاہب میں بالکل عام رہا ہے عیسائیت کی تو ساری بنیاد اسی شفاعت کے غیر واقعی تخیلات پر ہے اور ایسے ہی یہود بھی اپنی تمام بدکرداریوں کا ایک علاج پیغمبروں کی شفاعت ہی باور کرتے ہیں مشرک اقوام کے یہاں شرک وصنم پرستی، شفاعت وسفارش ہی کے تخیلات کی پیداوار اور افسوس کہ مسلمانوں میں بھی اہل قبور کی شفاعت کا تخیل قبر پرستی کی شکل میں ظاہر ہوا انھیں سب غلط در غلط نظریات پر من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ سے رد فرمایا، اجازت کے استثناء میں بھی ایک اور گمراہ قوم کی تردید آگئی۔ ہندوستان کے برہمن قانون مکافات خدا تعالیٰ کے لئے اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق خدا تعالیٰ پابند ہے کہ انسان کو اس کے اعمال کے مطابق ضرور سزا اور جزا دے۔ فرمایا گیا کہ شفاعت قبول ہوگی اور لوگوں کے برے اعمال معاف کر دیئے جائیں گے لیکن یہ شفاعت خود کوئی اپنے اختیار سے نہیں کر سکے گا بلکہ خدا تعالیٰ کی اجازت ہی سے ہو سکے گی۔ علامہ آلوسی رح نے لکھا ہے کہ ان الفاظ سے انھیں کی تردید مقصود ہے جو کہ اپنے مزعومہ اور گھڑے ہوئے شرکاء کو خدائی میں معاذ اللہ شریک اور خدا تعالیٰ کا ہم رتبہ سمجھتے ہیں لکھتے ہیں کہ والمقصود منہ بیان کبریاء شانہ تعالیٰ وانہ لا احد یساویہ او یدانیہ بحیث یستقل ان یدفع ما یریدہ دفعا علی وجہ الشفاعۃ ارشاد ہے کہ حاضر وغائب، موجود وغیر موجود کا سب علم ہم کو حاصل ہے ما کان قبلھم وما کان بعدھم (کشاف) حاکم عدالت بہت سے مقدمات میں فیصلے ہی اس لئے غلط کرتا ہے کہ واقعات کی صحیح نوعیت اس کے علم میں نہیں ہوتی سفارش کرنے والے، واقعات صحیح یا غلط اس کے علم میں لا کر فیصلے اپنے منشاء کے مطابق کرتے ہیں شفاعت کے ذکر کے بعد اپنے علم کامل کا یہ اثبات کس قدر مناسب اور موقع کی بات ہے، آگے اور پیچھے کا تذکرہ مقصود اس سے علم کامل کا اثبات ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ کنایۃ عن احاطۃ علمہ سبحانہ بلکہ یہ علم اور اس کے معلومات اس قدر وسیع ہیں کہ کوئی بھی فرد و بشر، ملائکہ اور انبیاء، جن اور مخلوقات سب مل کر یا تنہا اس کے معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتے، کیونکہ سب محدود اور اس کا علم لامحدود، بھلا ایک محدود ایک غیر محدود کا احاطہ کرلے تو کیونکر؟ بلکہ اس کی کرسی، علم و قدرت تو خود ہی ہر چیز کو حاوی اور گھیرے ہوئے ہے وہ خود کسی کے احاطہ میں کیسے آ سکتا ہے؟ کرسی کے عام مشہور معنی تو وہی ہیں جو ہم اور آپ جانتے ہیں یعنی بیٹھنے کی چیز لیکن ظاہر ہے کہ خداوند کا کوئی جسم ہی نہیں کہ اس کو بیٹھنے کے لئے کسی چیز کی ضرورت پیش آئے اس لئے تمام ائمہ تفسیر نے "کرسی" سے علم و قدرت ہی مراد لیا ہے جیسا کہ صاحب مدارک نے بھی تفصیل سے لکھا ہے۔ مشرک قوموں نے فرض کر لیا کہ خدا تعالیٰ اتنی وسیع کائنات کی تنہا نگرانی کیسے کر سکتا ہے لازمی طور پر اس کو متعدد شرکاء کی ضرورت پیش آئے گی اور یہیں سے شرک و تعدد خدا کا باطل عقیدہ شرک کا غیر منفک جز بن گیا آیات الکرسی کے خاتمہ پر تردید انھیں اوہام کی کھل کر فرما دی۔ صاحب مدارک نے بہت سی احادیث آیات الکرسی کے فضائل میں درج کیں اور واقعہ یہ ہے کہ احادیث بکثرت ان آیات کی فضیلت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول بھی ہیں لیکن بعض احادیث بالکل موضوع بھی روایت کی جاتی ہیں جو کسی حیثیت سے بھی قبول نہیں۔ علامہ آلوسی رح روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ والاخبار فی فضلھا کثیرۃ شہیرۃ (باقی بر صفحہ ۴۸)

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ

دین میں زبردستی (کا فی نفسہ کوئی موقع) نہیں (کیونکہ) ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے سو جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو

وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ

اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو (یعنی اسلام قبول کرے) تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کو کسی طرح شکستگی نہیں ہو سکتی) اور اللہ تعالیٰ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۵

خوب سننے والے ہیں (اور) خوب جاننے والے ہیں اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور (اسلام) کی طرف

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ

اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں (انسی یا جنی) وہ ان کو نور (اسلام) سے نکال کر یا بچا کر (کفر کی) تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ع

ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں (اور) یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے ہدایت تو گمراہی سے صاف صاف کھل چکی ہے تو جو کوئی طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے اس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لئے کوئی شکستگی نہیں اور وہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان لائے اور انھیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف نکال کر لاتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں جو انھیں روشنی سے نکال کر اندھیریوں کی طرف لے جاتے ہیں یہی لوگ اہل دوزخ ہیں جو اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

اسلام دین کے معاملہ میں کسی پر زبردستی نہیں کرتا

ارشاد ہے کہ دین حق ہی کو قبول کرو اس سلسلہ میں کسی پر جبر نہیں کیا جائے گا دین خود خوشی اور پورے اطمینان سے قبول کرنے کی چیز ہے وہ زبردستی ٹھونسنے کی کوئی مذموم اور قابل نفرت حقیقت نہیں، ان آیات کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک انصاری صحابی کے دو فرزند تھے یہ انصاری مسلمان تھے لیکن لڑکے دونوں کے دونوں عیسائی تھے باپ چاہتے تھے کہ ان کو زبردستی مسلمان بنالیں آیات انھیں کے اس ارادہ پر نازل ہوئیں اور متنبہ کیا گیا کہ اسلام کو زبردستی چپکانا ہرگز مقصود نہیں کہتے ہیں کہ باپ اور بیٹوں کا اسلام وعیسائیت کے بارہ میں یہ جھگڑا خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں پہونچا باپ شفقت پدری کی وجہ سے یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے لڑکے اسلام ایسی صداقت سے محروم رہ کر جہنم میں جائیں اس لئے وہ ایک اچھائی

(بقیہ حاشیہ صث) الا ان بعضہا لا اصل لہ اور صاحب مدارک نے جو ایک حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیات الکرسی پڑھے گا اس کو کوئی شخص جنت میں داخل ہونے سے نہیں روک سکتا بجز موت کے تو مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ شخص ابھی جنت میں داخل ہو جاتا لیکن موت مانع ہے مرنے کے بعد ہی اب داخل ہو سکے گا واللہ اعلم۔

اور سچائی کو محض اپنی محبت کی وجہ سے زبردستی اپنی اولاد پر لادنا چاہتے تھے لیکن دوسری طرف اسلام اپنی خوشگوار صداقت اور سچائی کی بنا پر خود اپنی جاذبیت وکشش کو لوگوں کے میلان کیلئے کافی سمجھتا یہ اس کی توہین ہے کہ اس کی تعلیمات کی کوثر وتسنیم کو زبردستی گلوں میں انڈیلا جائے، اس لئے آیات نے صاف طور پر صحابی کے اس طرز عمل کی نفی کردی، آیات نازل ہوئیں اور باپ نے دونوں لڑکوں کو دین وطریقہ کے بارہ میں قطعاً آزاد کردیا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اگرچہ یہ بھی ارشاد ہے کہ یہ حکم ان آیات سے منسوخ ہو چکا جن میں جہاد کا حکم ہے (مفصل بحث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے افکار پر حاشیہ مترجم میں دیکھئے)

فرماتے ہیں کہ دلائل نے ایمان کو کسی تاریکی میں نہیں رہنے دیا اور نہ کفر کے سیاہ چہرہ پر رنگ وروغن نے تابانی آسکی پھر کیا خطرہ واندیشہ کہ لوگ کفر کی طرف مائل ہوں گے اور ایمان سے محروم رہ جائیں گے، سو اب جو شخص شیطان پرستی یا صنم پرستی سے خود کو محفوظ رکھے بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ پر ایمان مکمل لے آئے تو یہ اس کا انداز وطریق کار ایک مضبوط حلقہ سے خود کو وابستہ کردینے کے ہم معنی ہے "وثقیٰ، اوثق" کی تانیث ہے اس مضبوط رسی کو کہتے ہیں جو نہ ٹوٹتی ہو۔ یہ آخری آیت درحقیقت ایک مثال ہے جس کے ذریعہ خدا تعالیٰ انسان کو ایک حقیقت مشاہدات انسانی کے ذریعہ سمجھانا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارا بارہا کا مشاہدہ ہے کہ ایک تنومند اور فربہ آدمی اگر ایک مضبوط رسی کو پکڑ کر لٹک جائے تو رسی ٹوٹنے نہیں پاتی بس ایمان باللہ ایک مضبوط تعلق و رشتہ ہے جب انسان اس سے اپنا رشتہ استوار اور محکم کرلیتا ہے تو پھر شیطانی فریب اس کے لئے بیکار ہو جاتے ہیں اور تمام وساوس کے باوجود وہ راہ راست سے بے راہ نہیں ہوتا بخلاف کفر کے کہ انسان کا اس میں کوئی مرکز ہی نہیں ہوتا ابھی کچھ اور ابھی کچھ اور گویا کہ تذبذب کفر کی حقیقت ہے اور استقلال واستقامت ایمان کی ماہیت، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مومن کے اقرار و قول کو سنتا ہے اور اس کے دلی عقائد پر مطلع وآگاہ ہے اس لئے خدا تعالیٰ کو کسی فریب میں رکھنا ممکن ہی نہیں۔

ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ مومنین کے تمام ہی معاملات کی پوری نگرانی فرماتا ہے چنانچہ اہل ایمان کو کفر کی تاریکیوں سے نور ایمان کی طرف لانا اسی ذات والا صفات کا کام ہے، آیات میں کفر کی تعبیر ظلمات کے لفظ سے جو کہ جمع کا صیغہ ہے اس لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ کفر کی بہت سی صورتیں ہیں اور ایمان کے لئے نور کا مفرد لفظ ایمان کے اتحاد کی جانب توجہ دلانے کے لئے ہے۔

اور جو کفر کرتے ہیں ان کا تعلق تمام تر شیطان سے ہے شیطان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ انسان کو ایمان و عمل کی خوشگوار روشنی سے ایک ناگوار اندھیری میں لاڈالتا ہے یہ اندھیری کفر وشرک اور بدعملی کی ہوتی ہے۔ حاصل یہ کہ ایمان کے بعد نیکیوں کی توفیق ملتی ہے، اچھے کام کرنے کی راہ کھل جاتی ہے، دل ودماغ شبہات وشکوک کی آماجگاہ نہیں رہتے، خدانخواستہ مومن کو اگر کبھی کوئی شبہ پیش بھی آتا ہے تو ایمان کی برکت سے خود ہی ڈھل جاتا ہے دوسری جانب کفر کی نحوست سے آدمی "حسن عمل" سے محروم ہو جاتا ہے اور ذہن میں شکوک وشبہات کے کانٹے الجھ جاتے ہیں جن کی خلش سے ہر وقت کرب وبے چینی اس کو محسوس ہوتی ہے تاآنکہ یہ کفر، یہ شبہات وشکوک سے لبریز زندگی بدعملی کا پشتارہ اٹھائے اپنا آخری ٹھکانہ جہنم بناتی ہے کہ پھر جہنم سے نکلنے کا کوئی سوال ہی نہیں (مومن کا معاملہ یہاں بھی عجب ہے اگر گناہوں کی وجہ سے جہنم میں چلا بھی جائے تو ایمان کی برکت سے پھر نکل آئے گا وہ کافر کی طرح نہیں کہ جانے کے بعد پھر جہنم سے نکلنا ہی نہ ہو)

ے مفسرین کے یہاں یہ اختلاف چلا آرہا ہے کہ آیا لا اکراہ فی الدین سے تا خالدون آیات الکرسی سے تعلق رکھنی والی آیات ہیں یا آیات الکرسی سے علیحدہ اور جدا آیات ہیں علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ لا اکراہ تا آخر آیات الکرسی سے غیر متعلق (باقی بر صفحہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ

(اے مخاطب) تجھکو اس شخص کا قصہ تحقیق نہیں ہوا (یعنی نمرود کا) جس نے حضرت ابراہیمؑ سے مباحثہ کیا تھا اپنے پروردگار کے بارہ میں اس وجہ سے کہ خدا نے اس کو

اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

جب ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا ہے کہ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے کہنے لگا میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ

فَاِنَّ اللّٰهَ يَأْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ

اللہ تعالیٰ آفتاب کو (روز کے روز) مشرق سے نکالتا ہے تو (ایک ہی دن) مغرب سے نکال دے اس پر متحیر رہ گیا

(بقیہ حاشیہ صـ۴۹) آیات میں لکھتے ہیں کہ والحق انہا لیست منہا ان آیات میں اسلام کی اس منفرد خصوصیت کا تذکرہ خوب کھل کر آگیا کہ وہ عقائد کا ایک بہترین مجموعہ ہے اور عقیدہ کا تعلق قلب سے ہے اور قلب کی کائنات پر کسی کا جبر و اقتدار نہیں، خود اسلام اپنے اندر خوبیوں کا وہ حسن اور کمالات کی وہ بے پناہ کشش رکھتا ہے کہ اس کو زبردستی نہیں بلکہ لوگوں کو خود ہی لپک کر اس کی طرف آنا چاہیئے" اسلام کی شہنشاہی کی صدیوں طویل تاریخ اس کا ایک مکمل ثبوت ہے کہ حکومت و سلطنت کے زور پر بھی اسلام کی اشاعت مسلمانوں نے گوارا نہیں کی۔ اسلام کو دنیا کے وسیع ترین حصہ میں جو اقتدار نصیب رہا اس کو چھوڑیئے خود ہندوستان میں جو اس کی اقتدار و گرفت کی تاریخ صدیوں کے لمبے عرصہ پر پھیلی ہوئی ہے پھر بھی ہندوستان میں غیر مسلموں کا نہ صرف وجود بلکہ ان کی کثرت اسلام کے اس مزاج کا ایک اعلان ہے کہ وہ زبردستی کسی پر ٹھونسا نہیں جاتا، بلکہ دنیا نے ہمیشہ اس کو خود اختیار کیا ہے۔ رہ گیا مرتد پر جبر و اکراہ سو اس کا تعلق ایمان و اسلام اختیار کرنے کے بعد اس کو ترک کرنے سے ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر کن وجوہات کی بنا پر اس نے اس مذہب کو چھوڑا اگر کوئی شبہ ہے تو بیان کرے ورنہ بلا معقول وجہ کے کیوں ترک کر رہا ہے۔ آج ایک "تنظیم" میں داخل ہونے کے بعد اس سے "بلا وجہ باہر ہونا" جماعتی زندگی کے اصولوں سے کس قدر خلاف سمجھا جاتا ہے۔ سو اگر ایک سیاسی تنظیم نہیں بلکہ مذہبی تحریک سے وابستہ ہو کر جس کا تعلق اس دنیا سے نہیں بلکہ آخرت سے ہے جس میں چند انسانوں سے معاہدہ نہیں بلکہ خدا اور بندہ کے مابین معاہدہ ہے ٹوٹنا کوئی نفرت انگیز اقدام نہ ہوگا؟ آخر یہ کیا بات ہے کہ عیسائیت میں ارتداد مذہبی پر جلا دینے کا حکم ہو اور اسلام کو مرتد پر سزا جاری کرنے میں ایک "زبردستی پسند" مذہب کا طعنہ دیا جاتا ہے۔

رہ گیا صاحب مدارک کا یہ لکھنا کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ان آیات کا تعلق جہاد سے پہلے اوقات سے تھا اور اب اس حکم کی اجازت نہیں، معتبر مفسرین نے اس قول کو اختیار نہیں کیا اور اگر مان بھی لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عین جہاد کے اوقات میں "یا دین اختیار کرو یا پھر مقاتلہ کے لئے تیار رہو" کا معاملہ ہے لیکن امن کے اوقات میں آج بھی دین و اسلام کی اشاعت جبر و اکراہ کی جکڑ بندیوں سے یقیناً آزاد ہے دوسرے مذاہب کو زبردستی مبارک ہو جو اپنی شراب تلخ کو اقلیتوں کی مظلومیت سے فائدہ اٹھا کر زبردستی انڈیل کر توسیع مذہب کے ظالمانہ پروگرام میں مصروف ہیں۔

آیات میں طاغوت سے ہر وہ سرکش طاقت مراد ہے جو انسان میں بے راہ روی پیدا کردے، چنانچہ امام رازی نے لکھا ہے کہ مردة من الجن والانس وکل ما یطغی ایمان کی حقیقت ایک ہے جیسا کہ خط مستقیم ایک ہوتا ہے اور کفر کی صورتیں بہت سی ہیں، جیسا کہ خطوط منحنی لیکن ان سب کا انجام انکار خدا ہی ہے اس لئے حدیث میں الکفر ملۃ واحدۃ بھی آیا ہے۔

الَّذِیْ کَفَرَ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

وہ کافر (اور کچھ جواب نہ بن آیا) اور اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ ایسے بے جا راہ پر چلنے والوں کو ہدایت نہیں فرماتے

کیا تونے اس شخص کے حال پر نظر نہیں کی جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے بارہ میں مناظرہ کیا تھا اس سبب سے کہ اللہ نے اس کو بادشاہت دے رکھی تھی جبکہ ابراہیم نے اس سے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے تو وہ بولا کہ زندگی اور موت تو میں دیتا ہوں، ابراہیم نے کہا کہ اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال دکھا اس پر وہ کافر بھونچکا سا رہ گیا اور اللہ ظالم لوگوں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

ایک روئیداد مناظرہ

یہ مناظرہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور نمرود بادشاہ کے درمیان ہوا۔ نمرود کو خدا تعالیٰ نے حکومت وسلطنت عطا فرمائی تھی چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم ترین نعمت پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا لیکن وہ ظالم اسی حکومت وسلطنت کی وجہ سے غرور وتکبر میں مبتلا ہو گیا، اور تو اور خود خدا تعالیٰ کی ربوبیت و خالقیت کے بارہ میں شبہ میں پڑ کر خود ہی کو خدا اور رب باور کرنے لگا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار اس نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے دربار میں بلایا اور وہاں ان سے پوچھنے لگا کہ بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟ اسی سوال پر حضرت ابراہیم ؑ نے وہ جواب دیا جو قرآن مجید نے ذکر کیا ہے حضرت ابراہیم ؑ کے اس ارشاد پر کہ خدا تعالیٰ زندگی بخشتا ہے اور مارتا ہے اس احمق نے بھی دعویٰ کیا کہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں مفسرین لکھتے ہیں کہ اس نے دو آدمیوں کو فوراً بلایا اور ایک قیدی کو جسے پھانسی کی سزا دی جا چکی تھی رہا کر کے ابراہیم سے کہنے لگا کہ یہ دیکھو میں نے اس کو زندگی بخش دی اور ایک غیر مجرم کو قتل کرا کر بولا کہ دیکھو میں نے اسے مار دیا، یا تو اس لعین نے یہ حرکت محض اپنے درباریوں کو مرعوب کرنے کے لئے کی یا احمق حیات وموت کا مطلب نہیں سمجھتا تھا کچھ بھی ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوفیق الٰہی اب ایک ایسی بات فرمائی جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا خدا تعالیٰ سورج کو مشرق سے روزانہ نکالتے ہیں اگر تو واقعی خدا ہے جیسا کہ تیرا اپنے متعلق دعویٰ ہے تو ذرا سورج کو بجائے مشرق کے مغرب سے نکال دے، یہ بات کچھ ایسی تھی کہ وہ بالکل چکرا گیا اور کوئی جواب اس سے بن نہ پڑا۔

ایک اشکال اور اس کا حل

یہاں بعض مفسرین کو یہ اشکال پیش آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے مقابلہ میں جو فوراً دوسری بات پیش کی تو گویا خدانخواستہ حضرت ابراہیم نمرود کے اس دعویٰ پر کہ میں بھی زندگی دیتا اور جان لیتا ہوں، خاموش وساکت ہو گئے تھے اور براہ راست اس کے اس دعویٰ کا کوئی توڑ ان کے پاس نہیں تھا کہ نمرود کو چپ کرنے کے لئے انکو دوسری باتوں سے کام لینا پڑا، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیاء وموت کے نمرودی دعویٰ پر اس کا معاذ اللہ دعویٰ تسلیم نہیں کیا بلکہ آپ نے جب دیکھا کہ وہ کم بخت ایک کو مار کر اور دوسرے قیدی کو چھوڑ کر لوگوں کو ایک نئی گمراہی میں ڈال رہا ہے اور زندگی بخشنے وزندگی لینے کا مطلب نہ خود سمجھ رہا ہے اور دوسروں کو بھی ایک سیدھی سادھی بات کے سمجھنے میں الجھا رہا ہے تو سیدنا ابراہیم ؑ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اب کوئی ایسی بات پیدا فرمائیں جس پر اس کی "بے بسی" سب پر ظاہر و آشکارا ہو جائے اس لئے ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف ابراہیم علیہ السلام نہیں گئے جیسا کہ بعض مفسرین کو بلا وجہ شبہ ہو گیا۔

ایک تاریخی حقیقت

جیسا کہ معلوم ہے کہ خود نمرود اور اس کی قوم ستارہ پرست تھی اور وہ خوب جانتے تھے کہ سیارے

کس طرح مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتے ہیں، آفتاب کی حرکت ہم بھی دیکھتے ہیں کہ مشرق سے شروع ہوتی ہے اور متعینہ خطوط پر جاکر ختم ہوجاتی ہے اور وہ اپنی اس حرکت میں بالکل ایسا ہی مجبور ہے جیسا کہ چکی کے پاٹ پر پانی ہو اور اس میں ایک چیونٹی پھنس جائے اب چیونٹی چاہتی ہے کہ کسی دوسری طرف گھوم جائے لیکن چکی اپنی گردش پر اسے گھماتی ہے اس کے ارادہ کے مطابق حرکت نہیں ہوتی اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے اس سے کہا کہ سورج کی ہر حرکت قسری ہے اور خدا تعالیٰ اس کو متحرک رکھے ہوئے ہیں اور اگر تو واقعی جیسا کہ تیرا خیال ہے خدا ہے تو اس متعین حرکت کے مربوط نظام کو توڑ کر بجائے مشرق کے مغرب کی طرف اس کو متحرک کردے اور ظاہر ہے کہ سورج کی حرکت جانب مغرب میں اس کی طبعی حرکت ہوگی اور طبعی حرکت پر کسی کو لانا بہت آسان ہے اس لئے مشرق سے حرکت سورج کے طبعی تقاضوں کے خلاف ہے لیکن خدا تعالیٰ نے اسی پر مامور فرمادیا اور حرکت برابر جاری ہے، مغرب سے حرکت طبعی اور بہت آسان تو اے نمرود اس آسان ڈگر پر ذرا سورج کو چلا کر دکھادے نمرود کے ماحول و مزاج کے مطابق جو بات تھی یعنی سیاروں سے متعلق کچھ باتیں اور انھیں میں نمرود کی عاجزی، یہ سب باتیں بڑے موقع کی تھیں اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اب اس طرح گفتگو فرمائی۔

لیکن وہ اس پر سٹ پٹا گیا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ باطل کو خدا تعالیٰ فروغ نہیں دیتا اور نہ باطل پرستوں کو ذہنی جلا حاصل کہ وہ حق پرستوں کے سامنے ٹھیر سکیں، کہتے ہیں کہ نمرود بھی تو کہہ سکتا تھا کہ اچھا تو ہی اپنے خدا سے بجائے مشرق کے مغرب کی جانب سے سورج کو نکلوادے؟ لیکن یہ بات اس وقت نمرود کو نہیں سوجھی اور اس کی سمجھ میں اس وقت یہ نہ آنا بھی خدا تعالیٰ کی اسی سنت کے مطابق ہے کہ وہ اہل زیغ کو وقت پر ہر طرح ناکام کردیتا ہے، اور یہ بھی ہے کہ وہ تو خود ہی خدا ہونے کا دعوی دار تھا اب اگر یہ بات کہتا تو ظاہر ہوتا کہ اس نے اپنے علاوہ کسی اور کو خدا مان لیا اسی لئے اس نے یہ بات منہ سے نہ نکالنا ہی بہتر سمجھا، حیات وموت کو اپنی طرف جو اس نے منسوب کیا اس سے بھی یہی ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ بس مارنا اور جلانا تو صرف میرا ہی کام ہے اور کسی کا نہیں۔ ان مسلسل کھلے دعوؤں کے بعد نمرود کے لئے کہاں یہ گنجائش باقی رہی تھی کہ وہ کسی دوسرے کو خدا مان کر ابراہیم علیہ السلام سے پلٹ کر کوئی بات کہتا[ے]۔

سلہ آیات الکرسی میں خدا تعالیٰ کے محی اور ممیت یعنی مارنے والا، زندگی دینے والا کا ضمناً تذکرہ تھا قصہ ابراہیمؑ ونمرود میں خدا تعالیٰ کی ان خصوصی صفات کے اہم دلائل دیئے گئے ہیں چنانچہ فی ظلال القرآن میں ہے کہ انہ استطراد فی حدیث الآیات علی قدرۃ اللہ وفی جو الموت والحیاۃ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیات الکرسی کے خاتمہ پر ارشاد تھا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کا ولی ہے اور ان کو تاریکیوں سے نور اور روشنی کی طرف لاتا ہے اور شیطان اپنے گروہ کے آدمیوں کو روشنی سے اندھیریوں میں جا پھینکتا ہے اس واقعہ میں دکھایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے کیسے مسکت دلائل سمجھائے جبکہ نمرود دلائل و تقریر تو کیا پیش کرتا بلکہ ہکا بکا رہ گیا۔ روح المعانی میں ہے کہ استشہاد علی ما ذکر من ان الکفرۃ اولیاءھم الطاغوت وتقریر لھم کما ان ما بعدہ استشہاد علی ولایۃ تعالیٰ للمومنین وتقریر لھا یہ کون شخص تھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مناظرہ کیا۔ قرآن مجید نے اگرچہ اس کے نام کی تصریح نہیں کی تاہم اتنی بات تو واضح طور پر قرآن مجید نے ہی بتادی کہ آپ کا کوئی معاصر بادشاہ تھا، مفسرین نے اس موقع پر نمرود کا نام لکھا ہے، اہل کتاب کی کتب اس واقعہ کے تذکرہ سے کیونکہ خالی ہیں اس لئے وہ اس قصہ کو تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہیں لیکن معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی ان غلطیوں کی تصحیح کی جو اہل کتاب نے پھیلا رکھی تھیں اور بہت سے (باقی بر صفحہ ۵۳)

ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ اور علم کلام کی فضیلت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ سے اور نمرود کے ساتھ مناظرہ کی اس تفصیل سے جو قرآن مجید نے ہم کو سنائی معلوم ہوا کہ علم کلام ایک ایسا موضوع ہے جس پر گفتگو کی جا سکتی ہے اور الٰہیات میں بحث و مباحثہ غیر پسندیدہ نہیں ہے اور یہ اس طرح معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محاجہ کیا گیا محاجہ یعنی حجت بازی دو آدمیوں ہی میں ممکن ہے سو اگر یہ بحث و مباحثہ ناپسندیدہ ہوتا تو یقیناً ابراہیم علیہ السلام اس میں حصہ ہرگز نہ لیتے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام غیر پسندیدہ چیزوں میں دخل اندازی ہرگز پسند نہیں کرتے، نیز ہم کو بھی یہ حکم نہ ہوتا کہ ہم کفار کو ایمان کی دعوت دیں اور توحید پر عقیدہ قائم کرنے کی ان کو دعوت دیں حالانکہ ہم کو حکم ہے کہ ایمان کی دعوت دیں اور توحید کی جانب کفار کو بلائیں اور ظاہر ہے کہ جب ہم دعوت کا کام شروع کر دیں گے تو کفار ہم سے ایمان و توحید پر دلائل طلب کریں گے، ہمارے پیش کردہ دلائل پر رد کریں گے اور پھر ہم کو جواب دینا ہوگا اور اسی تمام تفصیل کا نام مناظرہ ہے تو معلوم ہوا کہ مناظرہ خصوصاً توحید کے موضوع پر ایک مشروع اور جائز امر ہے "شرح تاویلات" میں ان آیات کے فوائد میں یہی تفصیل درج ہے۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ

یا تم کو اس طرح کا قصہ بھی معلوم ہے جیسے ایک شخص تھا کہ ایک بستی پر ایسی حالت میں اس کا گذر ہوا اسکے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے تھے کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی

اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ

مرے پیچھے کس کیفیت سے زندہ کریں گے سو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سو برس تک مردہ رکھا پھر اس کو زندہ کر اٹھایا (اور پھر) پوچھا کہ تو رکتنے دنوں) اس حالت میں رہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲) وہ واقعات سنائے جن کا ان کے مذہبی لٹریچر میں نام و نشان نہیں لیکن اس کے باوجود اتنی بات تو تاریخی طور پر ثابت ہے کہ نمرود ایک نہایت جابر و قاہر بادشاہ گذرا ہے، قرآن مجید نے بتایا کہ اس بادشاہ کو عظیم ترین سلطنت حاصل تھی لیکن اس نعمت کی ادائیگی شکر کے بجائے قوت و شوکت کے بیجا گھمنڈ نے خود خدا کے بارہ ہی میں اسے شبہات میں ڈال دیا اور نتیجہ میں وہ عاجز و بے بس انسان، مدعی الوہیت ہو گیا کان ینبغی من اجلہ ان یومن ویتشکر لان اتاہ اللہ الملک (فی ظلال القرآن) صاحب مدارک نے بہت زور دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دلیل سے اعراض کر کے دوسری دلیل پیش نہیں کی تھی یعنی سیدنا ابراہیمؑ احیاء و اماتت پر نمرود کی اس حرکت سے کہ اس نے ایک قیدی کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو ناحق مار دیا اور کہنے لگا کہ یوں زندہ کرنا و مارنا یہ تو میرا کام ہے مجبور ہو کر سورج کے متعلق ایک حیران کن بات اس کے سامنے رکھی ایسا نہیں بلکہ حضرت ابراہیمؑ سمجھے کہ یہ شخص انتہا سے زیادہ احمق ہے حیات و موت کی حقیقت پر بھی واقف نہیں اس لئے آپ نے پھر بالکل ایک ایسی بات فرمائی جو قریب الفہم تھی اور جس پر اس کا عجز و بے بسی خود اس پر اور اس کی قوم پر واضح ہو جائے یعنی سورج اور مشرق و مغرب کے متعینہ خطوط سے ہٹ کر اس کی حرکت و گردش ۔ لیکن روح المعانی میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دلیل سے دوسری دلیل کی طرف رجوع کیا اور یہی سند جواز ہے وفیہ دلیل علی جواز انتقال المجادل من حجۃ الی اخریٰ اوضح منہا ۔ حضرت ابراہیم کے اس مناظرہ سے جہاں مسئلہ توحید پر مناظرہ کا ثبوت ملتا ہے وہیں یہ بھی ہے کہ توحید باری میں صرف افعال حق سے کام لینا چاہیئے۔

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ

اس شخص نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تو سو برس رہا ہے تو اپنے کھانے (کی چیز)

إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ

اور پینے (کی چیز) کو دیکھ لے کہ نہیں سڑی گلی اور (دوسرے) اپنے گدھے کی طرف نظر کر اور تاکہ ہم تجھ کو ایک نظیر

آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا

لوگوں کے لئے بنا دیں اور (اس گدھے کی) ہڈیوں کی طرف نظر کر کہ ہم ان کو کس طرح ترکیب دیئے دیتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھائے دیتے ہیں پھر جب

تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

یہ سب کیفیت اس شخص کو واضح ہو گئی تو کہہ اٹھا کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں

یا پھر اس شخص کے حال پر نظر کی جو ایک بستی پر سے گذر رہا تھا اس حال میں کہ وہ بستی اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی وہ کہنے لگا کہ اللہ اس بستی کو اس کے ختم ہونے کے بعد کیسے جلا اٹھائے گا؟ سو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سو سال تک مردہ رکھا پھر اسے جلا اٹھایا، پھر پوچھا تو کتنی مدت اس حال میں رہا، وہ بولا میں اس حالت میں دن بھر یا دن کے کچھ حصہ میں رہا ہوں، فرمایا کہ نہیں بلکہ تو اس حالت میں سو سال تک رہا ہے اپنے کھانے اور پینے کی طرف تو دیکھ کہ اب تک وہ سڑا گلا نہیں اور اپنے گدھے کو دیکھ اور یہ سب کچھ اس لئے کہ ہم تجھے ایک نشان لوگوں کے لئے بنائیں۔ اور ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم انھیں کس طرح ترکیب دیتے ہیں اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، پھر اس پر جب یہ سب کچھ روشن ہو گیا تو اس نے کہا کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

زندگی تباہی کے دہانے سے تعمیر وحیات کی منزلوں تک

آیات کا مطلب یہ ہے کہ کیا آپ نے وہ واقعہ بھی دیکھا گویا کہ الم تر کے الفاظ یہاں سے حذف کر دیئے گئے کیونکہ الم تر اور او کالذی دونوں کے معنی ایک ہی ہیں اور یہ دونوں کلمے عربی زبان میں تعجب کے لئے استعمال ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ الفاظ یہاں صرف تعجب کے معنی ظاہر کرنے کے لئے آئے ہوں اور الم تر سے ان کی لفظی مناسبت نہ ہو صرف معنوی مناسبت ہو۔ اس صورت میں تقدیر عبارت ارا عیت کالذی حاجّ ابراھیم۔ او کالذی مرّ ہو گی، زمخشری نے اپنی مشہور تصنیف کشاف میں لکھا ہے کہ کالذی میں کاف زائد ہے اور الذی کا حاجّ پر عطف ہو رہا ہے۔

یہ صاحب کون تھے جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا حسن بصری تو کہتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص تھا جو بعد الموت حیات کا منکر تھا اور دلیل دیتے ہیں کہ یہی تو بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کا تذکرہ نمرود کے ساتھ کیا، اور اس کے علاوہ یہ بھی دلیل اس کے کافر ہونے کی ہے کہ اس نے اجاڑ بستی کو دیکھ کر اس کی دوبارہ تعمیر و آبادی کے تخیل کو واقعیت سے بہت دور قرار دیتے

ہوئے انی یحیی بے اختیار کہہ ڈالا۔ ورنہ جس شخص کو خدا تعالیٰ کی قدرت پر ذرا سا بھی یقین ہو وہ دنیا میں کسی بھی تغیر کو خدا تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں سمجھ سکتا، ایک برباد شدہ زندگی کو نہ صرف آباد (بلکہ شاداب زندگی کا مظہر کامل بنا دینا اور ایک زندگی و حیات کی آغوش میں مسکرانے والی بستی کو چشم زدن میں خرابہ کر دینا، ان کی قدرت کی ایک معمولی نشانی قرار دینا ایمانی طاقت کا معمولی تقاضہ ہے، کسی مومن کی زبان پر تعجب و ناممکن کے یہ الفاظ آ ہی نہیں سکتے اس لئے ہو نہ ہو ضرور یہ کوئی کافر تھا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے تو یہ ہے۔

لیکن اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ صاحب نہ صرف ایک مومن بلکہ خدا تعالیٰ کے ایک برگزیدہ پیغمبر حضرت عزیر علیہ السلام تھے ان کا مقصد اس گذارش سے یہ تھا کہ مردہ اجسام میں دوڑتی ہوئی زندگی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تاکہ ان کی بصیرت کی آبیاری ہو اور پھر ان کے یقین کی سوتیں کبھی خشک نہ ہوں بالکل ایسے ہی جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقصد کی خاطر خدا تعالیٰ سے زندگی، بعد موت کے مناظر دیکھنے کی درخواست کی۔ اور رہ گئی یہ بات کہ ایک مومن کی زبان پر (انّٰی یحیی) کے شک بھرے کلمات کیسے آگئے جن کو سن کر ایک دوسرے مومن یعنی حسن بصری نے ان کے ایمان کا انکار کر دیا؟ سو جاننا چاہیئے کہ یہ الفاظ اس لئے زبان پر نہیں آئے کہ یہ صاحب خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر یقین نہ رکھتے تھے بلکہ ان الفاظ سے تو وہ اپنے اس عجز کا اعلان کرنا چاہتے تھے کہ میں مرنے کے بعد پھر زندہ ہونے کے طریقے سے نہ صرف ناواقف ہوں بلکہ اس کو سمجھنے سے بھی قاصر ہوں اور یہ الفاظ زندہ کرنے والے کی بے پناہ قدرت پر ایک مومن کی حیرت کا دانشگاف اعلان ہے خدانخواستہ انکار و تذبذب کی دنیا سے اس کا کیونکر تعلق ہو سکتا ہے؟

جس بستی کو دیکھ کر انھوں نے یہ الفاظ کہے تھے مفسرین کہتے ہیں کہ "بیت المقدس" کی آبادی تھی جب بخت نصر نے اس کو تباہ و برباد کر ڈالا تھا جہاں سے لاکھوں انسان ایک سکنڈ میں اپنی جان بچانے کے لئے آباد شہر کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے تھے۔ قرآن مجید نے اس بستی کی تباہی کا منظر اپنی محتاط تعبیر میں یوں کھینچا ہے کہ وہ بستی اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی یعنی چھتیں بھی گر گئی تھیں یا پہلے چھتیں گریں اور اس کے بعد مکانات کی دیواریں بھی گریں۔ غرضکہ پوری بستی مکمل تباہی کی زد میں آ چکی تھی۔ عربی زبان میں ہر بلند چیز کے لئے "عرش" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ان صاحب نے بستی کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر کہا کہ اب یہ بستی و آبادی اس مکمل بربادی و تباہی کے بعد خدا جانے کس طرح آباد ہو گی؟ بس یہ کہنا تھا کہ خود ان پر خدا تعالیٰ نے موت طاری کر دی اور موت کا یہ سناٹا ان کی زندگی کے رگ و پے میں ایک دو برس نہیں بلکہ مسلسل سو سال جسم کے "تار زندگی کی برقی رو" سے خالی و محروم رہے، سو سال کے طویل عرصہ کے بعد زندگی نے انگڑائی لی اور موت کی آغوش میں بہت گہری نیند سونے والا اچانک آنکھ ملتے ہوئے اٹھ بیٹھا، ایک غیبی آواز نے اٹھنے والے کو جھنجوڑ کر پوچھا کہ بتا سکتے ہو کہ موت کا یہ لمبا سناٹا تمہاری زندگی کے آباد علاقوں میں کب تک محیط رہا ہی وہ بولے کہ غالبًا ایک دن یا دن کا کچھ ہی حصہ، کہتے ہیں کہ ان پر موت طاری ہوئی تھی تو دوپہر کا وقت تھا اور جب سو سال کے بعد اٹھے ہیں تو شام کا جھٹ پٹا تھا ظاہر ہے کہ ایک انسان اپنی معلومات و مشاہدہ کے پیش نظر اس عرصہ کی حد بندی دن یا دن کے کچھ حصہ ہی سے کر سکتا ہے، گویا کہ آفتاب کے ڈوبنے کا منظر ان کے سامنے جب تک نہیں آیا تو یہ سمجھے کہ پورے دن اس حالت میں رہا ہوں اور جب دیکھا کہ ابھی سورج کی کرنیں دنیا کے در و بام پر افسردگی کا پھیکا منظر پیش کر رہی ہیں تو یہ جھٹ سے بول اٹھے کہ نہیں بلکہ شاید میں اس کیفیت میں دن کے کچھ حصہ ہی رہا ہوں، فقہاء نے اسی آیت سے اجتہاد کے جواز پر دلیل پیش کی ہے کیونکہ یہ پیغمبر بھی اجتہاد کر رہے تھے اگر جائز نہ ہوتا تو اللہ کے ایک مخصوص بندہ سے اس کا ارتکاب ممکن نہیں۔

ان سے کہا گیا کہ جی نہیں آپ ایک دن، دو دن نہیں بلکہ پورے ایک قرن اور صدی موت کی بھیانک خاموشی کی گرفت میں رہے اچھا ذرا امتحاناً اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھ لیجئے، کہتے ہیں کہ ان کے پاس کھانے کے لئے انجیر و انگور تھے اور پینے کے لئے پھلوں کا رس اور دودھ تھا انھوں نے متوجہ کرنے پر دیکھا تو سب چیزیں بدستور حالت میں تھیں ذرا بھی ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی سڑنا اور خراب ہونا تو درکنار چیزوں کی صورت بھی سو سال کے لمبے عرصہ میں نہ بدلی،

لم یتسنّہ میں ہا کے بارہ میں بعض علماء کی رائے ہے کہ یہ اصلی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہا رساکنہ ہے دونوں صورتوں میں اس کا ماخذ السنۃ ہے کیونکہ لام، ہا ہے اور اصل میں یہ سنیہ تھا جس سے سانہت فعل کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ "واؤ" ہو اور اصل سنوۃ ہو جس کا فعل سانیت آتا ہو۔ بہر حال معنی یہ ہوں گے کہ صدیوں کی اُلٹ پھیر اس کو خراب نہ کر سکی۔ یہ بھی ارشاد ہوا کہ آپ ذرا اپنے گدھے کو بھی دیکھئے کہ اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر کس طرح منتشر ہو گئیں۔ کہتے ہیں کہ ان صاحب کے پاس ایک گدھا تھا جس کو انھوں نے اپنے قریب میں ہی باندھ چھوڑا تھا اور پھر انھیں موت طاری ہو گئی تھی۔ بعض مفسرین نے یہ بھی مطلب ان آیات کا بیان کیا ہے کہ ذرا اپنے گدھے کو بھی دیکھئے کہ اس میں اس طویل عرصہ کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، اس معنی کے پیش نظر کھانا اور گدھا وغیرہ ہر طرح کے تغیر سے سب ہی محفوظ رہ گئے، آیات میں اس مطلب و معنی کی بھی گنجائش ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا تعالٰے کی قدرت کاملہ کی یہ کتنی بڑی نشانی ہے کہ ایک جانور سو سال تک ان تمام چیزوں کے بغیر زندہ رہ جائے جو کہ ایک جاندار کے لئے مطلوب ہوتی ہیں گھانس، چارہ، پانی یہی جانور کی زندگی کے لئے ضروری سامان ہیں مگر خدا تعالیٰ کی قدرت کہ سواری کا گدھا اور ان سب کے بغیر ایک دو روز نہیں نہ ہفتہ نہ دو ہفتہ بلکہ پوری ایک صدی تک زندہ و سلامت رہا۔

خدائے قدیر و قادر کی ایک عظیم نشانی

ارشاد ہے کہ ہم نے تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندگی دے کر اور تمہاری چیزوں کو جوں کا توں باقی رکھکر دنیا کے لئے اپنی قدرت کی ایک عظیم نشانی ہمیشہ کے لئے قائم کر دی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ولنجعلک کا عطف محذوف پر ہے اور عبارت یوں ہے کہ تاکہ آپ خود اس عظیم واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور آپ کا یہ واقعہ پوری دنیا کے لئے ہماری قدرت کا ایک کامل نشان بن جائے۔ کہتے ہیں کہ یہ سوار ہو کر اپنی قوم کے پاس آئے اور بولے کہ میں عزیر ہوں لیکن قوم نے ان کے اس دعوی کو تسلیم نہیں کیا، بھلا سو سال کے بعد ایک انسان کا یہ دعویٰ کہ میں وہی ہوں جو آج سے سو سال قبل تم سے جدا ہو گیا تھا کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے؟ انھوں نے قوم میں جب تذبذب اور شبہات و شکوک کی لہر دوڑتی ہوئی پائی تو بولے کہ اچھا توراۃ لاؤ اور تھوڑی سی دیر میں توراۃ کا مکمل نسخہ زبانی فرفر سناتے چلے گئے۔ یہ دیکھ کر قوم کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ آج تک کسی شخص کو توراۃ کو یاد کرنے اور محفوظ رکھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ توراۃ کو حافظہ کی مدد سے اس طرح سنا دینا گویا یہی ایک نشانی تھی اور ولنجعلک آیۃ میں یہی مراد ہے۔ بعض روایات پسند مفسرین کے یہاں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ عزیر جب اپنے گھر پہونچے تو ان کی اولاد بوڑھی ہو چکی تھی اور قدرت خدا کہ عزیر خود نوجوانی کے عالم میں بھرپور شبابی قوت و طاقت کے ساتھ تھے واللہ اعلم۔

ان سے یہ بھی فرمایا کہ آپ ان ہڈیوں کو بھی دیکھئے شاید یہ ہڈیاں یا تو ان کے گدھے کی تھیں اور ہو سکتا ہے کہ انسانی ڈھانچے ہوں جن کو دیکھ کر ان کی زبان پر بے ساختہ آ گیا تھا کہ خدا تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کس طرح فرمائیں گے، دیکھئے ہم کس طرح ان کو ترکیب دیتے ہیں اور بکھرے ہوئے جسم کے مختلف اعضاء جسم کی ایک لڑی میں کیسے پروئے جائیں گے پھر ہڈیوں سے تیار جسم کی

اس عمارت پر گوشت و پوست کس طرح چڑھا دیا جائے گا۔ ارشاد ہے کہ مردہ اجسام اور منتشر اعضار انسانی جو ٹوٹ پھوٹ گئے تھے جن کے منتشر ذرات اور ریزوں کو جمع کرنا بھی ناممکن نظر آتا تھا جب ان کے سامنے وہی بھلے چنگے تیار ہو کر زندگی و حیات کی منزل پر جادہ پیما ہو گئے تو یقین نے ضمیر کی خاموش دنیا سے خدا تعالےٰ کی بے پناہ قدرت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ مجھ کو یقین ہے کہ اے قدیر و قادر آپ کی قدرت بڑی غیر محدود، نہایت وسیع، انسان کی یقین کی وسعتیں قدرت کی پنہائیوں کو ناپنے سے عاجز اور درماندہ ہیں[۱]۔
بعض مفسرین نے اعلم کو صیغہ امر بھی پڑھا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب سب کچھ ان کو دکھا دیا گیا تو ان سے کہا گیا کہ میاں یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

---

[۱] کون صاحب تھے جن کا یہ مفصل واقعہ حیرت انگیز، عبرت زا قرآن مجید نے سنایا، مفسرین کی بڑی جماعت بلکہ صحابہؓ و تابعینؒ کی اکثریت کہتی ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے ایک مقبول پیغمبر حضرت عزیر علیہ السلام تھے، سلسلۂ اسرائیلی کے معروف پیغمبر تقریباً پانچ صدی قبل مسیحؑ گذرے ہیں۔
روح المعانی میں ہے کہ المارّ ھو العزیر کما اخرجہ الحاکم عن علی و اسحٰق بن بشر عن ابن عباس و عبد اللہ ابن سلام والیہ ذھب قتادۃ و عکرمۃ و ربیع والضحاک والسدی وخلق کثیر۔ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ حسن بصریؒ ایسے دیدہ ور محدث و مفسر نے محض اس وجہ سے کہ واقعہ نمرود کافر کے واقعات کے ذیل میں سنایا گیا، کہدیا کہ یہ کوئی کافر تھا، سوچنے کی بات ہے کہ ابھی حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بالکل اسی نوعیت کا شروع ہوتا ہے اور نمرود ہی کے واقعات کے سلسلہ میں ہو تو کیا معاذ اللہ حسن بصریؒ کی اس دلیل کو سامنے رکھکر امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں بھی کوئی گستاخ، ایمان سے ان کو خارج کرنے کے لئے کوئی بات منہ سے نکالے گا کتنے سامنے کی بات ہے کہ حسن بصری کا یہی کافر واقعات کو پوری طرح دیکھنے کے بعد کہتا ہے کہ اعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر ایک کافر کی زبان پر یقین و ایمان کے یہ پُر کیف نعرے، کفر و یقین کے یہ ڈانڈے کیوں اور کس طرح مل گئے، اسی لئے علامہ رشید رضا نے المنار میں لکھا ہے والقول الثانی انہ کان من الکافرین وھو ضعیف لان الکافر لا یوید بآیات اللہ ایک تباہ شدہ خرابہ، ایک آباد ہونے کے بعد برباد شدہ کھنڈر پر انسانی دل و دماغ اگر اس کے دوبارہ آباد ہونے پر یقین کامل کے باوجود بچشم خود دیکھنے کے لئے بیتاب ہو تو یہ بیتابی شبہات و شکوک کی خلش نہیں بلکہ انسان کی متجسس فطرت کا ایک سادہ مطالبہ ہوگا، اس لئے فطرت انسانی کے رازداں سے ان سوالات کی حقیقت چھپی ہوئی نہیں کہ طولانی بحثوں کا یہ طومار کھڑا کیا جائے، ایک انسان کا مسلسل ایک صدی تک موت کی نیند سونا اور پھر زندگی کے تمام ہنگاموں کے ساتھ کھڑا ہو جانا مومن کے لئے تو استعجاب و حیرت اس واقعہ میں ہو سکتی نہیں لیکن یقین و ایمان سے خالی دل و دماغ ذرا بتائیں کہ آٹھ گھنٹے سونے والا یہ انسان اخبارات کی صحیح خبروں کی بنیاد پر کبھی کبھی کئی ماہ بلکہ کئی سال تک کیسے سو جاتا ہے، یہ سطریں زیر قلم ہیں تو مشرقی پنجاب کے ایک وزیر تقریباً ڈیڑھ ماہ کی طویل بے ہوشی کے بعد ہوش میں آ رہے ہیں، دنیا میں یہ واقعات پیش آ رہے ہیں پھر ان پر اب حیرت کیسی؟ آج انسانوں کے ڈھانچے، جانوروں کے ڈھانچے جو اثریات کے ماہرین کو مل رہے ہیں اور جن کی تاریخ ہزار ہزار سال پہلے سے جوڑی جا رہی ہے اگر خدا تعالیٰ ہزار برس تک ان کو محفوظ رکھ سکتا ہے تو ایک صدی مسلسل ایک انسان اور اس کے جانور اور کھانے پینے کو محفوظ رکھنا اس کی قدرت سے کیسے باہر ہوگا؟ ہم خوب جانتے ہیں کہ بعض کھانے اور پینے کی ایسی بھی اقسام ہیں جو سالوں خراب نہیں ہوتی عجب نہیں کہ ان صاحب کے پاس کچھ ایسی غذائیں و مشروبات ہوں، پھر ملک کی آب و ہوا کو بھی داخل اور موثر مان لیجئے آپ کا بھی تو مشاہدہ ہے کہ ہمارے اس ملک میں گرمیوں کی بہ نسبت کھانے پینے کی چیزیں سردیوں میں زیادہ عرصہ تک محفوظ رہ جاتی ہیں۔ المنار میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو حشر و نشر اور حیات بعد الموت کی دو دلیلیں دکھائیں ایک خاص یعنی چیزوں کا محفوظ رہ جانا اور دوسری عام یعنی جاندار کے اجزاء (باقی بر صفحہ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى

اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھکو دکھلا دیجیے کہ آپ مُردوں کو کس کیفیت سے زندہ کرینگے ارشاد فرمایا کہ کیا تم یقین نہیں لائے انھوں نے عرض

وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ

کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا لیکن اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو سکون ہو جاوے ارشاد ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو پھر انکو (پال کر) اپنے لئے ہلا لو

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًاؕ

پھر ہر پہاڑ پر ان میں کا ایک ایک حصہ رکھدو (اور) پھر ان سب کو بلاؤ دیکھو تمہارے پاس سب دوڑے دوڑے چلے آویں گے

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۠

اور خوب یقین رکھو اس بات کا کہ حق تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار ذرا مجھے یہ تو دکھا دیجیے کہ آپ مُردوں کو کس طرح جلائیں گے ارشاد ہوا کہ کیا آپ کو یقین نہیں ہے عرض کی کہ کیوں نہیں؟ (یقین کامل ہے) لیکن قلب کے اطمینان کے لئے یہ درخواست ہے ارشاد ہوا کہ چار پرندے لیجیے پھر انھیں اپنے سے ہلا لیجیے (پھر ان کے ٹکڑے کیجیے) پھر ان میں کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھدیجئے پھر ان کو اپنی طرف بلائیے (تو) وہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس چلے آئیں گے اور یقین رکھئے کہ اللہ بڑا زبردست ہے بڑا حکیم ہے۔

اطمینانِ قلب پیغمبر کو بھی مطلوب ہے

یہ واقعہ تیسرا ہے جو نمرود اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعات کے سلسلہ میں سنایا گیا حاصل اس کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ مُردوں کو کس طرح زندہ فرمائیں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابراہیم کیا آپ کو اس پر یقین نہیں کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کریں گے، عرض کیا کہ اے پروردگار اس پر تو یقین کامل ہے ذرا بھی شبہ نہیں لیکن مُردوں کو زندہ ہوتا دیکھکر مجھ کو اور قلبی اطمینان ہوگا، تو درخواست کا باعث قلبی اطمینان کا حصول ہے خدانخواستہ اس گذارش میں "بے یقینی" کارفرما نہیں، گویا کہ خدا تعالیٰ تو خوب جانتے تھے کہ ابراہیم سے بڑھکر اس حقیقت پر کون یقین رکھنے والا ہوگا لیکن یہ سوال اللہ تعالیٰ نے ان سے صرف اس لئے کیا تاکہ وہ جواب دیں اور ان کے جواب سے رہتی دنیا تک ابراہیم کے بارہ میں طے ہو جائے کہ وہ کن عقائد و افکار کے حامل تھے، کہاں وہ کہ کھلے الفاظ میں حیات بعد الموت پر ایمان کا اعلان کرتے ہیں اور کہاں وہ بدقسمت ہجوم جو ملت ابراہیمی پر گامزن ہونے کا دعویدار لیکن سب سے بڑی حقیقت یعنی "زندگی بعد الموت" ہی کے بارہ میں شک و شبہ کیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷) و اعضاء کا بوسیدہ ہونے کے بعد پھر سے کالبد بن جانا یہ آخری دلیل وہ دلیل ہے جس سے ایک انسان اپنے نظریہ حیات بعد الموت کو ہر جگہ ثابت کر سکتا ہے۔ ان آیات کی تفسیر و تشریح کیلئے اہل علم المنار خصوصًا طنطاوی کا مطالعہ کریں اہم اور دلچسپ علمی حقائق مفت ہاتھ آئیں گے طوالت کا خوف نہ ہوتا تو فقیر مترجم بھی کچھ اخذ و اقتباس کے بعد پیش کرتا الحمد للہ ضرورت کے مطابق تو اب بھی لکھا گیا، ضرورت سے زائد لیکن کارآمد باتیں رہ گئیں جن کا افسوس ہے۔

انکار میں مبتلا معلوم ہوا کہ سیدنا ابراہیمؑ کو اس حقیقت پر کہ اللہ تعالیٰ مارنے کے بعد پھر زندہ کرسکتے ہیں "علم بدیہی" تھا لیکن کیفیت کے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر وہ استدلالی رنگ کا علم بھی چاہتے تھے متعدد دلائل کا بیک وقت اجتماع اور ان سے حاصل شدہ نتائج و علوم بہر حال مضبوط اور ناقابل انکار ہوتے ہیں، استدلالی علوم میں شکوک و شبہات راہ پاتے ہیں لیکن "علم ضروری و بدیہی" یقین کی مضبوط عمارت کا نام ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بات صاف کردی تو حکم ہوا کہ اے ابراہیم اچھا تو چار پرندے لے لو، کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ نے جو چار پرندے لئے ان میں ایک مور تھا ایک مرغا، ایک کوا اور ایک کبوتر، یہ بھی حکم ہوا کہ ان کو اپنے سے ہلا لیجئے اور اس کے بعد ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیجئے اور ان ٹکڑوں کو پہاڑ کے مختلف حصوں پر رکھ دیجئے۔ یہ وہی پہاڑ تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن میں تھے بعض نے کہا ہے کہ چار پہاڑ تھے اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سات پہاڑ تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کے ٹکڑے پہاڑوں کی تعداد کے مطابق ہی کئے تھے پھر جب ان پرندوں کو پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو یہ کہہ کر پکاریئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلے آؤ۔ دیکھنا کہ وہ دوڑے ہوئے چلے آئیں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ جو حکم دیا گیا تھا کہ وہ پرندوں کو اپنے سے ہلا لیں اس کی وجہ یہ تھی تاکہ وہ ان کو خوب پہچان لیں ان کی صورتیں، رنگ اور خاص خاص علامتیں ان کے ذہن میں محفوظ رہیں تاکہ جب زندہ ہونے کے بعد پرندے ان کے پاس آئیں تو ان کو یہ شبہ نہ ہو کہ کہیں یہ دوسرے تو نہیں۔

بعض قصہ گو کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا تھا کہ وہ ان جانوروں کو ذبح کردیں، ان کے بال و پر نوچ لیں اور ان کے پھر ٹکڑے ٹکڑے کردیں، بالوں کو، خون کو اور گوشت کو خوب ملا دیں، جانوروں کے سر اپنے پاس رکھیں پھر ہر پہاڑ پر ہر پرندہ کا چوتھائی حصہ رکھ دیں اور اس کے بعد آواز دیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب چلے آئیں گے۔ کہتے ہیں کہ جب ابراہیم نے آواز دی تو ان کے سامنے ہی ہر ایک جز اٹھا اور اُٹھ کر دوسرے اجزاء سے ملتا گیا اور پھر جب ترکیب کے بعد جسم تیار ہوگیا تو دھڑ آیا اور ابراہیم کے پاس موجود سر سے آکر لگ گیا، ہر ایک کا دھڑ اپنے سر سے پیوست ہوا یہ بھی نہیں کہ دھڑ کسی کا اور سر کسی کا ہو۔ آخر میں ابراہیمؑ سے یہ بھی ارشاد ہوا کہ یقین رکھو ابراہیم، تمہارا رب بڑا حکیم ہے اور بہت زبردست ہے، زبردست ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جو ارادہ کرے اس کو اس سے کوئی روک نہیں سکتا لیکن حکمت کا تقاضہ ہے کہ جو کچھ کرے وہ حکمت سے خالی نہ ہو۔

ف۷ یہ تیسرا واقعہ ہے جو قرآن مجید نے اس سلسلہ میں سنایا کہ خدا تعالیٰ مومنین کی نصرت بروقت کس طرح فرماتے ہیں اور ان کے یقین و ایمان کی پختگی و تکمیل کے لئے موقع بموقع اسباب و وسائل بہم پہونچاتے ہیں چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا جس وقت نمرود سے مناظرہ ہوا تو خدا تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو ایسے دلائل سجھادئے جن کے سامنے نمرود لاجواب ہوگیا، عزیر علیہ السلام نے تباہ شدہ کھنڈرات کو دیکھ کر جو کچھ اظہار خیال کیا خدا تعالیٰ نے ایک صدی کی مسلسل موت کی خاموشی ان پر طاری فرما کر ان کے یقین کی آبیاری کی، ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاہا کہ میں اپنی آنکھوں سے موت کے سناٹے سے زندگی کی چہل پہل میں جاندار کا دوبارہ آنا دیکھ لوں، خدا تعالیٰ نے ان کی یہ درخواست فوراً قبول فرمالی۔ ایک آدمی ٹیلیفون کے وجود پر کامل یقین کے ساتھ محض اس کو دیکھنے کی خود بھی تمنا رکھتا ہے، ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ٹیلی فون کے وجود ہی کا انکار کررہا ہے۔ ایسے ہی سیدنا ابراہیمؑ کی یہ درخواست کہ مجھ کو احیاء کا منظر دکھا دیجئے، بے یقینی کی علامت نہیں بلکہ ایمان و یقین کا شاداب منظر ہے۔ ابو مسلم اصفہانی کے علاوہ تمام مفسرین کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے وہ سب کچھ کیا جس کا حکم دیا گیا تھا یعنی پرندے لئے اور ان کو ذبح کیا اور احیاء کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ۱۲ منہ

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت (عنداللہ)

سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ

جس سے (فرض کرو) سات بالیں جمیں (اور) ہر بال کے اندر سو دانے ہوں اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا

یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں جاننے والے ہیں جو لوگ اپنا مال اللہ (تعالیٰ) کی راہ میں خرچ کرتے ہیں

ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ

پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو (اس پر) احسان جتلاتے ہیں اور نہ (برتاؤ سے) اس کو آزار پہونچاتے ہیں اُن لوگوں کو اُن (کے اعمال) کا ثواب ملیگا۔ اُن کے

وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ

پروردگار کے پاس، اور نہ اُن پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ یہ مغموم ہوں گے مناسب بات کہدینا اور درگذر کرنا (ہزار درجہ) بہتر ہے ایسی

مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ۝

خیرات (دینے) سے جس کے بعد آزار پہونچایا جائے اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں حلیم ہیں

جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات بالیں اُگیں ہر ہر بالی کے اندر سو سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے مال میں چاہتے ہیں اضافہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ بڑے وسعت والے بڑے علم والے ہیں۔ جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس پر احسان نہیں جتلاتے اور نہ اذیت سے کام لیتے ہیں ان کے لئے اس کا اجر پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے مناسب بات اور درگذر ایسی خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد اذیت ہو۔ اللہ بڑے غنی ہیں بڑے بردبار ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ

ان آیات کا ماقبل کے مضامین کے ساتھ ربط یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابھی دلائل قائم کر کے زندگی بعد الموت کو ثابت فرمایا اب بتلاتے ہیں کہ اس دوسری زندگی میں جو چیز انسان کے لئے کام آئیگی وہ اس کا ایمان، عمل اور ان میں سب سے محبوب اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اس لئے ان آنے والی آیات میں فی سبیل اللہ دینے کی ترغیب ارشاد فرمارہے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے کہ جو لوگ محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کے اس خرچ کئے ہوئے مال کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک دانہ ہو جس میں سات بالیاں (خوشے) اگ آئیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، ظاہر ہے کہ ان سب کو پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہی ہیں، لیکن بظاہر غلہ کی پیدائش دانہ اور تخم ہی سے ہوتی ہے اس لئے ان آیات میں پیدائش غلہ، تخم اور دانہ کی طرف نسبت وتعلق اس کا قائم کر دیا گیا جیسا کہ عموماً قرآن مجید ہی میں ان چیزوں کی پیداوار کا تعلق پانی اور کبھی مٹی سے قائم کر دیا جاتا ہے اس لئے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ درحقیقت پانی، مٹی، یہ تخم ان چیزوں

کو پیدا کر رہے ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں: پیدا تو حقیقۃً خدا تعالیٰ ہی فرماتے ہیں لیکن کیونکہ ظاہری اسباب بھی ہیں تعلق ان سے بس اسی وجہ سے قائم کر دیا جاتا ہے۔

سات بالیوں کے پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک تخم سے ایک گیہوں کا مثلاً پودا نمایاں ہوتا ہے اس میں سات بالیاں ہوتی ہیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوتے ہیں یعنی سات سو دانے حالانکہ تخم کل ایک ہی تھا لیکن اگر اکثر اس طرح کا معاملہ پیش بھی نہ آئے اور ایک تخم سے سو دانے پیدا نہ ہوں تو بھی کم از کم امکان تو ضرور ہے اس لئے "امکان" پر کوئی دلیل قطعی اس تمثیل کے صحیح نہ ہونے کی قائم نہیں کی جا سکتی۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس پیداوار کو اس سے بھی بڑھا سکتے ہیں یعنی دینے والا اجر اس بیان کردہ مقدار سے بھی زیادہ پا سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اجر کا معاملہ خرچ کرنے والے کی نیت پر موقوف ہے جس کی جیسی نیت ہوگی اللہ تعالیٰ اجر میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائیں گے کیونکہ خدا تعالیٰ کے یہاں نہ دینے کی کمی اور نہ ہی لوگوں کی نیتوں کا حال ان پر مخفی، اور ظاہر ہے کہ اجر دینے میں غلط اقدامات ان ہی دو باتوں کی وجہ سے ہو سکتے تھے ایک تو یہ کہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو اور دوسرے یہ کہ دینے والے کی نیت کا علم نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے واسع اور علیم اپنی آخر میں دو صفات لا کر ان غلط احتمالات کے دروازے بند کر دیئے۔

احسان جتلانا

فرماتے ہیں کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور پھر اپنے خرچ کئے ہوئے پر احسان نہیں جتلاتے اور نہ اس شخص کو جس کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا ہے اپنے قول و عمل سے کوئی تکلیف پہونچاتے تو ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ کے یہاں بڑا اجر ملے گا کہ روز قیامت جب سب خوفزدہ ہوں گے تو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ یہ غمگین ہوں گے، ارشاد ہے کہ احسان سے زیادہ پسندیدہ کام یہ ہے کہ احسان کے بعد نہ اس کو جتلاؤ اور نہ اس شخص کو قولاً وعملاً تکلیف پہونچاؤ جس کے ساتھ حسن سلوک کیا ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ ہم کہہ دیں کہ اسلام لانے سے زیادہ بہتر اسلام پر استقامت ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص تم سے سوال کرے اور تم اس کو نہ دے سکو تو مناسب اور نرم لب ولہجہ میں اپنا عذر پیش کر دینا نیز سائل نے اگر کوئی ایسا سوال کیا جس کو تم پورا نہیں کر سکتے تو اس وقت اس سے معافی طلب کر لینا یا خدا تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا کہ سائل کو معقول طریقہ پر جواب دے دیا یہ اس سے بہتر ہے کہ آپ کچھ دیں اور دے کر پھر اس کو اپنے قول و عمل سے تکلیف پہونچائیں اور ظاہر ہے کہ سب سے بڑی تکلیف اس کو اس سے نہیں پہونچے گی کہ آپ اپنے ان احسانات کا تذکرہ کریں جو آپ اس کے ساتھ کرتے رہے، اللہ تعالیٰ ایسے صدقہ کے ہرگز طالب نہیں جس میں اس شخص کو تکلیف پہونچائی جائے جس کے ساتھ آپ نے کوئی حسن معاملت کی ہے اور ساتھ ہی بہت حلیم بھی ہیں سو اگر آپ کے اس غلط رویہ پر جلد ہی آپ کو کوئی تنبیہ نہیں کی تو جری نہ ہونا چاہیئے خدا جانے کب ان کا عذاب وعقاب شروع ہو جائے، گویا کہ آخری ذکر کردہ اس صفت (حلیم) میں احسان جتلانے والے کو شدید دھمکی ہے۔

لہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کا ایک خاص اسلوب بیان یہ بھی ہے کہ وہ مسلسل احکام کے ذیل میں کچھ آیات عبرت ونصیحت، توحید وغیرہ کی بھی ذکر کرتے ہیں انسان کی فطرت ہے کہ وہ خرچ بھی کرتا ہے تو وہیں جہاں کچھ نہ کچھ اس کو نفع نظر آئے، اولاد، بیوی بچے، عزیز واقارب، دوست واحباب پڑوسی اور وطنی جہاں کہیں اور جس کسی پر بھی وہ خرچ کریگا اس کے شعور میں اس انفاق سے کوئی نہ کوئی نفع ضرور متعلق ہوگا ایسے مواقع پر خرچ کرنا سخاوت دکھانا جہاں کسی بھی نفع کی امید نہ ہو بہت مشکل اور دشوار ہے یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ ربانی برملا

۶۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ

اے ایمان والو تم احسان جتلا کر یا ایذا پہونچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال

يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ

خرچ کرتا ہے (محض) لوگوں کے دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر سو اس شخص کی حالت

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ

ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر ہو جس پر کچھ مٹی (آ گئی) ہو پھر اس پر زور کی بارش پڑ جاوے سو اس کو بالکل صاف کر دے

لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو (جنت کا) راستہ نہ بتلاویں گے

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا

اور ان لوگوں کے خرچ کئے ہوئے مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا

(کو اس عمل شاق کا خوگر بنا کر ان) میں پختگی پیدا کریں مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیلے پر ہو کہ اس پر زور کی بارش پڑی ہو پھر وہ دونا

(بقیہ حاشیہ ص۶۱) کا مؤکد حکم دیتے ہیں اور مختلف پیراؤں سے اس کی فضیلت اور اہمیت جتاتے ہیں ان آیات میں بھی عند اللہ، انفاق و جود و کرم کی مقبولیت اور محبوبیت اور اس عمل کے بار آور ہونے پر محسوسات سے ایک مثال پیش فرما رہے ہیں فی سبیل اللہ سے مراد وہ خرچ ہے جس کا مقصد محض رضاء الٰہی کا حصول ہو جس کا نفع عام ہو اور پائدار۔ المنار میں ہے کہ وھی ما یوصل الی مرضاتہ من المصالح العامۃ لا سیما ما کان نفعہ اعم و اثرہ ابقی اور ظاہر ہے کہ جب وہ محض رضاء الٰہی کے لئے ہوگا تو اس پر اجر خدا تعالیٰ جتنا بھی چاہیں عنایت فرما دیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ در اصل اجر و ثواب کی کمی زیادتی دینے والے کی نیت پر موقوف ہے بہت تھوڑا دیا لیکن بڑے اخلاص کے ساتھ اجر اس پر بہت زیادہ ملے گا بمقابلہ اس کے کہ بہت دیا لیکن خلوص نیت سے نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو کچھ اسلام کے لئے صرف کیا مختصر ہونے کے باوجود حدیث سے ثابت ہے کہ جو اجر ان کو ملے گا وہ امت کے ان کروڑپتیوں کو ہرگز نصیب نہ ہوگا جنھوں نے "اسلام" کے لئے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں صرف کر دیا فرق وہی حسن نیت اور اخلاص کامل کا ہے۔ خدا تعالیٰ نے محسوسات سے ایک مثال اجر کے بڑھ جانے کی پیش فرما کر سمجھا دیا کہ تم روزانہ ہی ایک دانہ سے پیدا شدہ بالی میں سینکڑوں دانوں کا انبار دیکھتے ہو پھر اس کو کیوں بعید سمجھتے ہو کہ خدا تعالیٰ کسی کی خرچ کردہ ایک مخلصانہ کوڑی پر اجر و ثواب کا اس کے لئے ڈھیر لگا دیں لیکن سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ اس انفاق کے بعد احسان نہ جتلایا جائے ظاہر ہے کہ جسے محض خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے دیا گیا تھا اس کا احسان جتلانا قطعاً غلط ہے اور اگر وہ احسان جتلاتا ہے تو اس کا یہ عمل اس کے اس دعویٰ کی تکذیب کرتا ہے کہ اس نے حصول رضاء الٰہی کے لئے دیا تھا، اسلام نے ایک طرف اگر احسان کرنے والوں کو تنبیہ کی کہ وہ احسان کے بعد اس کا (باقی بر ص۶۳)

ضِعْفَیْنِ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ

پھل لایا ہو اور اگر زور کا مینھ نہ بھی پڑے تو ہلکی پھوار (ہی کافی ہے) اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے

اَیَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو جس کے نیچے نہریں پڑی بہہ

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ

رہی ہوں (اور) اُس کے ہاں اس باغ میں (اور بھی) ہر قسم کے میوے ہوں اور اس کا بڑھاپا آ چکا ہو اور اس کے عیال

ضُعَفَآءُ ۚۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ

کمزور ہوں اس (باغ) پر ایک بگولا آئے کہ اس میں آگ ہو تو وہ (باغ) جل جائے اللہ (تعالیٰ) اسی طرح تمہارے لئے

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر سے کام لو

اے ایمان والو اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور اذیت پہونچا کر باطل نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، سو اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چکنا پتھر ہے جس پر کچھ مٹی ہے پھر اس پر زور کی بارش ہو سو وہ اس کو بالکل صاف کر دے ایسے لوگ اپنی کمائی سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے اور اللہ کافروں کو راہ ہدایت نہ دکھائے گا اور مثال ان لوگوں کی جو اپنا مال محض رضا الٰہی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے رہتے ہیں اور ان کا مقصد اپنے نفس میں پختگی پیدا کرنا بھی ہوتا ہے ایک باغ کی طرح ہے جو کسی اونچی زمین میں ہو اور اس پر زور کا مینھ پڑے جس سے وہ دوگنے پھل لائے اور اگر زور کا مینھ نہ بھی پڑے تو ہلکی پھوار ہی کافی ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو جس کے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہوں اور اس کے اس باغ میں اور بھی قسم کے میوے ہوں اور وہ بوڑھا ہو چکا ہو اور اس کے عیال کمزور ہوں اس باغ پر ایک بگولہ آئے اور اس میں آگ ہو تو وہ باغ جل جائے، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر سے کام لو۔

نیکی کرو اور دریا میں ڈالو

ترکیب نحوی کے اعتبار سے کالذی پر کاف ایک مصدر محذوف کی صفت ہے اور عبارت پوری اس طرح ہوگی کہ ابطالاً مثل ابطال الذی جس کے معنی یہ ہوں گے کہ جس طرح وہ

(بقیہ حاشیہ صہ ۶۲) تذکرہ تک نہ کریں تو دوسری طرف ان لوگوں کو بھی ہدایت دے کہ شکریہ ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں جن کے ساتھ کوئی نیک معاملہ کیا گیا اور اسلام کی یہی جامعیت ہے جس کیلئے وہ ایک آسمانی مذہب کہلانے اور انسانی دماغ کی پیداوار نہ کہلانے کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ صاحب المنار نے تفصیل سے لکھا ہے کہ اتفاق کے پہلو کے دب جانے سے کتنے مفید کام اس امت میں ختم ہو کر رہ گئے۔

شخص اپنا دیا لیا سب کچھ ہی بالکل بیکار ضائع کرتا ہے جو کہ دیتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لیے ہے ایسے ہی تم بھی اے مومنین دیکر اور پھر اس پر احسان جتلا کر اپنے احسانات کو ضائع نہ کرو، اگر خدانخواستہ تم نے احسان جتلایا تو ہم اس پر کوئی اجر و ثواب تم کو نہیں دیں گے اس لئے کہ تمہارا بھی یہ خرچ وانفاق اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں تھا اگر اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا تو پھر احسان جتلانا کیا معنی رکھتا ہے یہ تو وہی ایک نمائشی انسان کا طریق کار ہے جو نہ اللہ پر ایمان رکھے اور نہ آخرت کے دن پر، ظاہر ہے کہ ہزاروں مومن ہیں لیکن نام ہی کا مومن ہوگا ورنہ اگر اس کو خدا اور آخرت پر یقین ہوتا تو کبھی اس کے معاملات میں ریا، رو بنود، نمائش و دکھاوے کا جذبہ موجود نہ ہوتا، اللہ پر یقین اس کو اپنے تمام اعمال میں صرف رضاء الٰہی کو حاصل کرنے کی دعوت دیتا اور آخرت پر یقین دنیا میں اس شخص سے کسی اجر و شکریہ کی توقع اس کو نہ رہنے دیتی جس کے ساتھ اس نے حسن سلوک کیا تھا، بلکہ اجر و ثواب کا تمام تر تیقین صرف خدا تعالیٰ کی ذات سے قائم ہوتا جو آخرت میں ملنے والا ہے۔

ایسا شخص جس نے اپنے کاروبار میں رضاءِ الٰہی کو سامنے نہیں رکھا اُسکی تمام کوششوں کی مثال بس ایسی ہے جیسا کہ چکنا پتھر ہو اور اتفاقاً اُس پر کچھ مٹی جم گئی ہو، اور پھر ایک زور کی بارش ہوئی جسکے نتیجہ میں مٹی تمام بہہ گئی اور پتھر پھر پتھر ہی رہ گیا۔ مٹی کی وہ تہہ جس سے شبہ ہوتا تھا کہ یہ زمین کا کوئی زرخیز حصہ ہے وہ بھی شبہ جاتا رہا اور معلوم ہوا کہ وہ زرخیز و زرعی زمین نہ تھی بلکہ ایک پتھر کی چٹان تھی جس میں بونے اور اُگنے کا کوئی سوال ہی نہیں، اس لئے جو کچھ اس بے چارے نے خرچ بھی کیا وہ سب بے کار گیا اور اُس پر کوئی اجر ہرگز نہیں ملنے کا، یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جو شخص بُری باتوں میں اُلجھ گیا اگر وہ اُس سے خود ہی نکلنا نہیں چاہتا تو خدا تعالیٰ بھی اُسکو اُسی میں ڈالے رکھتے ہیں اُن کی طرف سے ہدایت کی کوئی کوشش نہیں ہوتی۔

ایک صحیح جذبہ وشعور کے تحت انفاق فی سبیل اللہ

اور اُن لوگوں کے انفاق کی مثال جنہوں نے خوشنودی مولیٰ کو حاصل کرنے کے لئے کیا، جو اسلام کے تمام احکام کی تصدیق کرتے ہیں جس میں ایک انفاق کی اہمیت، اس پر اجر و ثواب ملنے کا یقین، اور اس کا اظہار اپنے طرزِ عمل سے ہے، ایسی ہے جیسا کہ ایک باغ نشیبی علاقے میں نہیں بلکہ بلندی پر ہو، جہاں فصل بھی اچھی ہوتی ہے اور اس باغ میں مینہ برسا ہو جس کے نتیجے میں پھلوں کی ریل پیل ہو کہ ایسی بھرپور فصل رہے کہ بارش سے پہلے ایسی فصل کبھی نہ ہوئی ہوگی، اور اس باغ کو اپنے محل وقوع کے اعتبار سے ایسی زوردار بارش کی بھی ضرورت نہیں اگر چھینٹا ہی پڑ جائے تو وہ بھی کافی ہے، سمجھو کہ یہی حال اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے خرچ اور خدا کی مرضیات ہی کو حاصل کرنا اپنا مقصود تھا اب خدا تعالیٰ کی اس پر نظر نہیں کہ وہ کیا اور کتنا خرچ کر رہے ہیں جو کچھ خرچ اور جتنا خرچ معمول یا زیادہ سے زیادہ اجر اللہ تعالیٰ اُن کو بے پناہ عنایت فرمائیں گے جیسا کہ باغ جب اُس کا محل وقوع مناسب اور شاندار تھا تو فصلوں کے بہترین آنے کے سلسلہ میں زور کی بارش کی ضرورت نہ تھی بلکہ چھینٹے نے بھی یہاں وہی کام کیا جو موسلا دھار بارش سے ہوتا، نیت، اخلاص شرط ہے، لاکھوں کا خرچ ضروری نہیں، اجر ایک کوڑی پر بھی ملتا ہے بشرطیکہ حسن نیت ہو، اور لاکھوں کا انفاق بھی بے کار رہتا جبکہ خدا تعالیٰ کی رضاء مقصود نہ ہو خدا تعالیٰ انسان کے تمام اعمال کا مکمل جائزہ لے رہے ہیں، اسلئے لوگوں کی نیات کا صحیح علم بھی اُنہیں کو ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان کی نیت کچھ اور ہو اور عمل دکھائے وہ کسی اور انداز میں، اس طرح کا فریب انسان کا، انسان کو تو دھوکہ میں ڈال سکتا ہے لیکن "علیم وبصیر" کو بے خبر رکھنا خود اپنی بے خبری کی دلیل ہے۔

ذرا سوچو

کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم میں سے کسی کا ایک باغ ہو بہت سرسبز اور شاداب، انگور کی بیلیں اور کھجور کے درختوں کے جھنڈ اس باغ کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہوں ندیوں، نالوں اور چھوٹی چھوٹی کولوں کے ذریعہ باغ میں چہار جانب پانی ہی پانی بہہ رہا ہو، باغ میں ہر طرح کے لذیذ، خوش ذائقہ اور خوشنما پھلوں کی کثرت ہو، کیونکہ عرب کی معیشت میں انگور اور کھجور کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس لئے پہلے انھیں کا تذکرہ فرمایا اور بعد میں باقی پھلوں کا ذکر۔

بہرحال فرماتے ہیں کہ اتنا عمدہ اور کارآمد باغ ہو اور ساتھ ہی اس باغ کے مالک کی جوانی رخصت اور بڑھاپے کی آمد آمد اس پر مستزاد یہ کہ اولاد کی کثرت اور سب کے سب محتاج پرورش، یہ سب باتیں الگ اور اچانک اس باغ پر ایک زبردست بگولہ آیا جس کے نتیجہ میں سارا باغ جل کر خاکستر ہو گیا، بس ضرورت کے وقت اس بوڑھے کا سب سے بڑا یہ سرمایہ یعنی باغ جس طرح ایک ہی لمحہ میں ضائع ہو کر رہ گیا ایسے ہی وہ لوگ جو اللہ کے لئے نہیں بلکہ انسان کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں قیامت کے دن جب اجر و ثواب کی احتیاج در احتیاج اور ضرورت پر ضرورت ان کے سامنے ہوگی دنیا میں لگایا ہوا یہ انفاق کا باغ غضب الٰہی کے ایک ہی صرصر میں خاکستر نظر آئے گا، ہاتھ پر ہاتھ ملتے رہ جائیں گے اور سب کیا دھرا رہ جائے گا۔ فرماتے ہیں کہ ہم عام انسانوں کے لئے اسی طرح واضح مثالیں، اہم حقائق سمجھانے کے لئے پیش کرتے ہیں مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ غور کریں اور اپنے اعمال میں غور و فکر کے بعد اخلاص، حسن نیت اور رضاء الٰہی کا حصول، جذبہ و شعور اپنا بنائیں۔ مترجم عرض کرتا ہے کہ ان آیات کے ساتھ ہمارا پچھلا نوٹ مکرر مطالعہ کر لیا جائے، وہی انفاق اور انفاق کے بعد احسان جتلانے کے مضمون سے بتاکید ممانعت، نشانہ ان آیات کا بھی یہی ہے صورت حال کی مکمل تصویر خود قلم باری نے کھینچ دی اضافہ امر ناممکن

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا

اے ایمان والو (نیک کام میں) خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے

لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ

زمین سے پیدا کیا ہے اور ردی (ناکارہ) چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کرو حالانکہ تم کبھی

بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ○

اس کے لینے والے نہیں ہاں مگر چشم پوشی کر جاؤ (تو اور بات ہے) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں تعریف کے لائق ہیں

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً

شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے اور تم کو بری بات (یعنی بخل) کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے اپنی طرف سے گناہ

مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ

معاف کر دینے کا اور زیادہ دینے کا اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں خوب جاننے والے ہیں دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دیدیتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ جس کو

يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝

دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں (یعنی جو عقل صحیح رکھتے ہیں)

اے ایمان والو جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں اور خراب چیز کا ارادہ نہ کرو کہ کہیں اس میں سے ہی خرچ کرنے کی سوچنے لگو، حالانکہ خراب چیز تو تم خود بھی لینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے سوائے اس کے کہ لیتے وقت چشم پوشی کر جاؤ (تو اور بات ہے ورنہ عام طور پر آدمی خراب چیز لینے پر کبھی بھی تیار نہیں ہوتا) اور یقین رکھو کہ اللہ بے نیاز ہے اور ستودہ صفات ہے شیطان تم کو غربت اور احتیاج سے ڈراتا ہے اور اس لئے تم کو بخل کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا ہو گی اسے یقیناً خیر کثیر عطا ہو گی اور نصیحت تو بس صاحبان فہم ہی قبول کرتے ہیں۔

متاع بے بہا، نظر حضرتِ حق جلّ مجدہٗ

ان آیات میں مومنین کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ وہ جب خدا تعالیٰ کی راہ میں کچھ خرچ کریں تو محض "ٹالنے" کا مضمون نہ ہو کہ جو سب سے زیادہ ناقص اور نکمی چیز نظر آئے وہی دے دی جائے، ایسا نہ ہونا چاہیئے بلکہ خدا تعالےٰ کی شان بہت بڑی ہے بڑی ارفع ہے بہت اعلیٰ ہے اس لئے جو کچھ اپنی دانست اور یقین میں سب سے زیادہ قیمتی چیز ہو وہی دو۔ فقہاء نے انھیں آیات سے استدلال کیا ہے کہ تجارتی سامان میں بھی "زکوٰۃ" فرض ہے، فرماتے ہیں کہ زمین سے پیدا ہونے والی جملہ اشیاء میں بھی خدا تعالیٰ کے نام سے کچھ ضرور دو، مثلاً کھیتیاں اور ان سے حاصل شدہ پیداوار سونے چاندی نیز دوسری دھاتوں کی کانیں، باغات اور ان کی فصلیں، پھل پھلواری وغیرہ ان سب سے بہترین چیز خدا تعالیٰ کے نام پر دو لیکن خبردار ناقص چیز کو خدا تعالیٰ کے نام پر دینے کا ارادہ بھی گناہ ہے، ذرا سوچو تو سہی کہ اگر کوئی شخص تم کو کوئی بری چیز دینے لگے تو تم کو کس قدر ناگوار ہو لینا ہی گوارا نہ کرو اور اگر لو بھی تو بس شرماحضوری ہی میں ورنہ بطیب خاطر تو کبھی بھی لینا تم کو پسند نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان آیات کا شان نزول بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض حضرات کھجور کی فصل پر جو ناقص حصہ ہوتا وہی خدا تعالےٰ کی راہ میں دیتے، ان آیات میں اسی سے روکا گیا، آخر میں ارشاد ہے کہ ہم کو تمہارے صدقات کی کوئی ضرورت نہیں کہ ضرورت و احتیاج میں خراب ناقص، اچھا اور بُرا سب ہی قابل قبول ہو۔ ہم کو تمہاری تعریف کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ جو ذات گرامی خود ہی ستودہ صفات ہو دوسروں کی حمد و ثنا سے اس کے کمالات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کی تعریفات کا انتظار

شیطانی وسوسہ اور وعدۂ رحمٰن

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جب تم خراب اور نکمی چیزیں دیتے ہو تو درحقیقت تمہارے شعور میں یہ خیال و خطرہ ہوتا ہے کہ اگر ہم دیں لیں اور بہترین چیزیں اللہ کے نام پر نکال دیں تو پھر ہمارے پاس کہاں سے آئے گا ہم غریب، محتاج اور دوسروں کے دست نگر ہو جائیں گے، یاد رکھو یہ محض شیطانی وسوسہ ہے، شیطان غربت و افلاس کے یہ اندیشے انسان کے دل و دماغ میں پیدا کر کے اس کو ایک بہت بڑی خیر سے محروم رکھنے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ اس کے مقابل میں حضرت حق جل مجدہٗ کی طرف سے انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق دو

وعدے ہیں ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ اس صدقہ کو تمہارے گناہوں کا کفارہ فرمادیں گے اور دوسرا وعدہ یہ کہ جتنا خرچ کروگے اس سے دوگنا انشاء اللہ پاؤ گے، یا اسی دنیا میں ورنہ آخرت میں ثواب کی صورت میں تو یقینی ہے۔ تم کو اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر حیرت نہ ہونا چاہیئے اس لئے کہ وہ بڑے وسعت پسند ہیں اور دینے میں بہت ہی فراخ حوصلہ، جس کو جتنا چاہیں عنایت فرمادیں لیکن ازراہِ حکمت اس وسعت میں فرقِ مراتب پیش نظر رہتا ہے، یہ فرق مراتب خود انسانوں کی نیات پر موقوف ہے دینے لینے کے وقت میں جس کی جیسی نیت ہوتی ہے ہمارا معاملہ بھی اس کے ساتھ ویسا ہی ہوتا ہے لیکن اس حقیقت کا یقین کہ شیطان انسان کو غلط راہ پر ڈالتا ہے افلاس و غربت، احتیاج اور دست نگری کے خطرات سامنے لاتا ہے اور اس کے مقابل میں حضرت رحمٰن کے بہترین وعدے قابل اعتماد ہیں یا خبیث شیطان کی فریب کاریاں، حکمت و فہم سے تعلق رکھتی ہیں جس کو فہم معاملات کی سوجھ بوجھ ہوگی وہ ان باتوں کا فرق قائم کرسکے گا، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فہم صحیح (حکمت) جس کو ہم نے عطا کردیا گویا کہ اس کو دونوں جہان کی نعمتیں ہی عنایت کردیں لیکن ان آخری بیان کردہ حقائق پر بھی بجز اہل عقل و فہم کے اور کوئی نہ یقین کرنے کے لئے تیار اور نہ ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے مستعد و آمادہ، علماء نے لکھا ہے کہ "حکمت" سے مراد یا تو قرآن مجید کا صحیح علم ہے یا حدیث رسول اللہ صلعم سے گہری واقفیت حکمت ہے۔ یا حکمت سے مراد وہ علم نافع ہے جس سے انسان پر خدا طلبی اور رضاء الٰہی کے حصول کی راہیں کھل جائیں، بہر حال ان آیات میں انفاق فی سبیل اللہ کی زبردست ترغیب مختلف عنوانات سے انسان کو دی گئی ہے[1]۔

---

[1] ابن جریر نے ان آیات کی شان نزول کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ بعض مسلمان ناقص اور بدترین چیزوں کو صدقات کے لئے استعمال کرتے تھے۔ آیات میں انفاق فی سبیل اللہ اور اس سلسلہ میں عمدہ اور بہترین چیزوں کے دینے کا حکم آیا چنانچہ ابن جریر نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کانوا یتصدقون من رذالۃ مالھم لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات کی عادت تھی کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے خراب اور ناقص چیزیں رکھا کرتے اور جب زکوٰۃ دینے کا موقع آتا تو وہی نکمی چیزیں دیدیتے ابن جریر میں ہے کہ نزلت ھٰذہ الاٰیۃ فی الزکاۃ المفروضۃ کان الرجل یعمد الی الثمر فیصرمہ فیعزل الجید ناحیۃ فاذا جاء صاحب الصدقۃ اعطاہ من الردی کچھ بھی ہو صدقات میں یا آپ پیش آتی ہو یا زکوٰۃ میں آیات میں اصل ممانعت اس کی آئی ہے کہ ناقص اور نکمی چیزیں اس قابل نہیں کہ ان کو خدا تعالیٰ کے حضور میں نذرانہ کے طور پر پیش کیا جائے بھلا سوچئے کہ دنیا میں ایک شخص جس کو بہتر سے بہتر چیز دینے پر قدرت تھی لیکن وہ بادشاہ کے حضور میں نذرانہ کے طور پر سب سے زیادہ ناقص چیز پیش کرے، موجب عتاب ہوگا اس کا یہ اقدام یا بادشاہ اس سے بہت خوش ہوگا؟ آپ خود ہی سوچکر فیصلہ کیجئے، فرمایا گیا کہ شیطان انسان کو خیر سے محروم رکھنے کا اہتمام کرتا ہے اس نے دیکھا کہ انسان میں راہ خدا میں خرچ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا اول تو اس جذبہ پر ہی بدبریا سو پردہ رکاوٹ لگائے گا لیکن سر دست اور کچھ نہیں تو دل میں غربت و افلاس کے بغیر متوقع اندیشے پیدا کر کے عمدہ اور اچھی چیزوں کو فی سبیل اللہ دینے ہی سے روک دیا اور اسی طرح ایک نیک کام میں عتاب ربانی کے موجبات ظالم نے پیدا کردیئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے ہوئے پر کئی گنا اجر کا وعدہ ہے اور گناہوں کے مغفرت کی ضمانت پھر کیسا خطرہ اور کہاں کا اندیشہ۔ آیات میں قابل غور نکتہ شیطان کے سارے کاروبار کے لئے اندیشوں کا لفظ جس کی کوئی حقیقت نہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے وعدہ جو ہر طرح لائق اعتماد ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ طیبات سے مراد حلال کمائی ہے اس لئے حرام چیزوں یا حرام طریقوں سے حاصل شدہ چیزوں کا صدقہ عند اللہ ادا نہ ہوگا افسوس ہے کہ اس ترغیب و ترہیب کے باوصف امت نے انفاق ہی کے شعبہ میں سب سے زیادہ کوتاہی اور فروگذاشت اختیار کرلی۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو حق تعالیٰ کو یقیناً سب کی اطلاع ہے اور بیجا کام کرنے والوں کا کوئی

مِنْ اَنْصَارٍ ۝ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ج وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا

ہمراہی (اور حمایتی) نہ ہوگا اگر تم ظاہر کرکے دو صدقوں کو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کا اخفا کرو اور فقیروں کو دیدو تو

الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

یہ اخفا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعہ (اس کی برکت سے) تمہارے کچھ گناہ بھی دور کردیں گے اور اللہ تعہ تمہارے کئے ہوئے کاموں

خَبِيْرٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَمَا تُنْفِقُوْا

کی خوب خبر رکھتے ہیں ان (کافروں) کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ (فرض و واجب) نہیں ولیکن خدا تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت پر لے آویں اور (اے

مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ط وَمَا تُنْفِقُوْا

مسلمانو) جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدہ کی غرض سے کرتے ہو اور تم اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے ہو بجز رضا جوئی ذات پاک حق تعالیٰ کے اور (نیز) جو

مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا

کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب یعنی اس کا ثواب پورا پورا تم کو مل جاویگا اور تمہاری ذرا کمی نہ کی جاویگی (صدقات) اصل حق اُن حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہو گئے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ

ہوں اللہ کی راہ میں (اور اسی وجہ سے) وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادتاً) امکان نہیں رکھتے (اور) ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے ان کے

مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا

سوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو (کہ فقر و فاقہ سے چہرہ پر اثر ضرور آجاتا ہے) اور وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں

تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

پھرتے اور جو مال خرچ کروگے بے شک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے

ع ۷ ۳۷ ۵

اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو یا جو نذر مانتے ہو یقیناً اللہ سب کچھ جانتا ہے اور ناانصافوں کا حامی کوئی بھی نہ ہوگا اور اگر تم صدقات کو ظاہر کرکے دو جب بھی اچھی بات ہے اور اگر پوشیدہ رکھو اور فقیروں کو دو جب تو یہ تمہارے حق میں اور بھی بہتر ہے اور اللہ تم سے تمہارے کچھ گناہ بھی دور کردیگا اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے ان کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو تم اپنے لئے ہی خرچ کرتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہو اور تم مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو سب تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی زیادتی نہ کی جائے گی اصل حق ان

ضرورتمندوں کے لئے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں ملک میں کہیں چل پھر نہیں سکتے، ناواقف انھیں غنی خیال کرتا ہے صرف اس لئے کہ وہ سوال کرنے میں احتیاط کرتے ہیں تو انھیں ان کے چہروں ہی سے پہچان لے گا اور وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے اور تم مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے۔

کہاں خیرات کرو اور خیرات و صدقات میں بہتر راہ کیا ہے؟

فرماتے ہیں کہ انسان جہاں کہیں بھی خرچ کرتا ہے بڑے کاموں میں یا نیک مقاصد کے لئے تھوڑا خرچ کرتا ہے یا بہت، خدا تعالیٰ کو سب معلوم ہے ایک ایک ذرہ کا حال ان پر منکشف ہے کوئی بات ان سے پوشیدہ نہیں اسی طرح نذر خواہ وہ خدا کے لئے کرے یا کسی شیطان وصنم کی خاطر یہ بھی اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ خدا تعالیٰ کے علم میں ہے جب علم میں ہے تو وہ اس پر جزا وسزا بھی انسان کی نیت کے مطابق ضرور دے گا، یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہے کہ وہ لوگ جو صدقات کا سلسلہ نہ خود قائم رکھتے اور نہ دوسروں کو ترغیب دیتے بلکہ الٹے ان کو منع کرتے ہیں اور ایسے ہی وہ لوگ جو اپنے مال ودولت کو بیکار بلکہ گناہوں کے کام میں صرف کر دیتے ہیں یا نذر کرتے ہیں اور وہ نذر صرف گناہ ہی ہو کر رہ جاتی ہے یا نذر کرتے ہیں اور پھر اس کو پورا نہیں کرتے یہ سب ظالم ہیں اور ظالم پر جب عذاب الٰہی آتا ہے تو کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا اس کی طرف سے دفاع نہیں کر سکتا۔

جب صدقات کا تمام علم ہم کو بخوبی ہے تو اب اگر تم صدقات علانیہ طور پر کرو تو بھی کوئی حرج نہیں، ترکیب نحوی کے اعتبار سے "نعم" افعال مدح میں سے ہے اور مخصوص بالمدح "شیئًا" ہے نعمّا میں مَا نکرہ غیر موصولہ ہے موصوفہ نہیں جیسا کہ بعض کو شبہ ہوگیا، عبارت یوں ہے کہ نعم شیئًا ابداؤھا لیکن یہ صدقہ فقراء، غرباء اور حاجتمندوں کو دینا چاہیئے اور اگر چھپا کر فقراء کو دیا جائے تو بہت ہی بہتر ہے، فقہاء اور علماء نے لکھا ہے کہ اگر صدقات، فرائض میں سے ہوں جیسا کہ زکوٰۃ وغیرہ تو ان کو علانیہ طور پر ہی دینا بہتر ہے تاکہ لوگوں کے علم میں بھی آجائے اور کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ شخص زکوٰۃ نہیں دیتا اور اگر نفلی صدقات ہیں تو پھر ان کو پوشیدہ طور پر دینا بہتر ہے لیکن اگر آپ کسی موقع پر یہ محسوس کریں کہ میرے علانیہ دینے سے دوسروں کو ترغیب ہوگی تو ایسی صورت میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اعلان کے ساتھ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ فرماتے ہیں کہ صدقات کو چھپانے کی وجہ سے یہ تمہاری ایک اور نیکی ہوگی اس نیکی پر کچھ گناہ بھی معاف کر دیئے جائیں گے اور یہ تو بہر حال واضح ہے کہ تم صدقہ چھپ چھپا کر دو یا کھلم کھلا خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس کے علم میں سب کچھ ہے۔

اے رسول اوپر جتنے احکام دیئے گئے مثلاً دینے کے بعد احسان جتلانے کی ممانعت، احسان جتا کر اپنے کرم وسخاوت کو باطل کرنے کی ممانعت اس سلسلہ میں ایذا رسانی سے گریز واحتیاط، بیکار اور نکمی چیزوں کو راہ خدا میں نکالنے سے اجتناب وغیرہ یہ سب باتیں ہدایت سے تعلق رکھتی ہیں اور آپ جانتے ہی ہیں کہ آپ کسی شخص کو زبردستی ان امور خیر کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے آپ کا تو صرف اتنا کام ہے کہ آپ لوگوں تک یہ بہترین باتیں پہونچا دیں آگے وہ قبول کریں یا نہ کریں یہ ان کا کام ہے ظاہر ہے کہ آدمی جو کچھ دے رہا ہے اس کا نفع اسی کو پہونچے گا پھر آخر اس کے لئے یہ کیسے مناسب ہوگا کہ وہ اس شخص کو تکلیف پہونچائے جس کے ساتھ اس نے کوئی نیک سلوک کیا ہو اور کیا اس کے اس معاملہ سے خود اسی کو نقصان نہ پہونچے گا اور جب رضاء الٰہی کو حاصل کرنے کے لئے خرچ کیا گیا تھا تو پھر دوسروں پر احسان دھرنا کیا معنی رکھتا ہے اور ایسے ہی جب خوشنودی مولیٰ پیش نظر ہے تو پھر نکمی اور ناقص چیزوں کو صدقہ کے طور پر دینا کس حد تک مناسب ہے؟ اور یہ معاملہ یقینی ہے کہ جو کچھ تم دے

لے رہے ہو وہ کئی گنا بڑھا کر تم کو دیا جائے گا پھر نہ کسی پر احسان جتانے کی گنجایش اور نکمی چیزوں کو دینے کا کوئی موقع، اجر و ثواب میں ذرا سی بھی کمی نہ ہوگی اس لئے بہترین اجر کے طالب عمدہ چیزیں دیں اور پھر ہم سے عمدہ سے عمدہ ثواب و اجر لیں۔

ان لوگوں کو دیجیے

جو غربا ر خدا تعالےٰ کی راہ میں جہاد میں مصروف ہیں اور اس اہم فریضہ کی ادائگی میں اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ وہ نہ کوئی کاروبار کر سکتے ہیں اور نہ کچھ کھانے کمانے کی ان کو فرصت ان کو دینا، ان کی امداد سب سے بہتر کام ہے۔ بعض علمار کی رائے ہے کہ اس سے مراد "اصحاب صفہ" ہیں یہ قریشی تقریباً چار سو مہاجر تھے جن کو مدینہ میں کوئی سکونت کے لئے جگہ بھی میسّر نہیں آئی تھی، نہ ان کا کوئی کاروبار تھا بیچارے مسجد نبوی کے صحن میں وقت گذارتے ان کی راتیں عبادت میں گذرتیں اور ان کے دن قرآن سیکھنے اور سکھانے میں گذر جاتے، جہاد کا موقع آتا تو یہ اس میں ضرور شرکت کرتے انھیں لوگوں کے لئے امداد کا یہ حکم ہے کہ ان کی مدد کرو یہ امداد کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، ان حضرات کی عجیب و غریب عادت تھی اور وہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے کہ یہ اصرار و لجاجت سے کسی سے نہیں مانگتے بلکہ یہ تو ایسے خوددار و قانع ہیں کہ عام طور پر اپنی ضرورت بھی کسی کے سامنے نہیں رکھتے ناواقف تو ان کے اس رویہ کے پیش نظر ان کے متعلق یہی سمجھ لیتا ہے کہ یہ بڑے غنی ہیں ان کو نہ کوئی ضرورت اور نہ یہ کسی امداد کے منتظر، حالانکہ ان کے چہرے بتاتے ہیں کہ یہ کیسی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے باحیا کو بے حد پسند فرماتے ہیں جو بردبار ہو اور سوال سے حتی الوسع پرہیز کرتا ہو اور اس بے حیا کو سخت ناپسند کرتے ہیں جو مانگتا ہو اور مانگنے میں بھی اس نے حیا اتار کر رکھدی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ضرورت پر اگر آدمی سوال کرنے پر بھی مجبور ہو تو سوال سلیقہ اور حیا سے کرے لگ لپٹ کر مانگنا پسندیدہ شیوہ نہیں، ہمیشہ باحیا اور محتاج لوگوں کی عادت قناعت، بوقت احتیاج سوال لیکن بہت خاموشی اور شرم و حیا کے ساتھ رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ دیا جا چکا وہ اللہ تعالیٰ کے علم الٰہی میں ہے اس لئے دینے والے کا اجر کسی حال میں ضایع نہیں[1]

---

[1] ان آیات میں اس حقیقت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کو اس کے تمام صدقات خیر کے معاملات اور نیک اعمال پر جزا ضرور دے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کا علم کامل و محیط ہے، بندہ کا کوئی عمل ان سے پوشیدہ اور چھپا ہوا نہیں، نیز دینے کے لئے ان کے پاس خزانے موجود اس لئے وہ جزا دیں گے اور پوری جزا عنایت فرمائیں گے من نفقۃ کے الفاظ عام ہیں اور ہر طرح کے صدقات کو حاوی و شامل ہیں المنار میں ہے کہ لیشمل قلیلھا وکثیرھا سرّھا وعلانیھا ما کان منھا فی حق وما کان منھا فی شر ما کان من اخلاص وما کان رئاءً لناس، ما اتبع منھا بالمنّ والاذیٰ وما لم یتبع بشئ منھا نذر کا ترجمہ اردو میں منّت سے کیا جا سکتا ہے اصطلاح فقہار میں منّت وہ چیز ہے جو آپ پر لازم نہیں تھی لیکن آپ خود پر لازم کرلیں، امام رازی نے لکھا ہے کہ النذر ما یلتزمہ الانسان بایجابہ علی نفسہ نذر عبادت بدنی بھی ہو سکتی ہے مثلاً نماز کی منت یا روزہ کی منت اور ایسے ہی مالی بھی نذر شرعاً جائز اور صحیح ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے صدقات کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ ظاہر اور علانیہ بھی دے سکتے ہو اور اخفار کے ساتھ بھی لیکن مخفی طور پر کسی کی مدد بہت ہی بہتر ہے، زندگی میں دوسروں کے ساتھ امداد و تعاون کا معاملہ کبھی ضرورت پیش آتی ہے کہ علانیہ کیا جائے اور کبھی بالکل پوشیدہ انداز میں، اگر آپ کو یہ یقین ہو کہ علانیہ دینے سے دوسروں کو ترغیب ہوگی مثلاً مدرسوں کا چندہ، انجمنوں کی اعانت، ملی اور قومی و رفاہی کاموں میں تعاون تو بہتر ہے کہ آپ علانیہ امداد کریں اسی طرح فقہار نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائگی بھی علانیہ ہونی چاہیئے تاکہ لوگوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ مال دار اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ (باقی بر صلے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ) اور جہاں اس طرح کی مصالح پیش نظر نہ ہوں تو پھر اخفا رہی بہتر ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس طرح مدد کرنی چاہیئے کہ وہ ہاتھ جس سے دیا جا رہا ہے اس کا علم دوسرے ہاتھ کو بھی نہ ہو اللہ اکبر اخفا کا کس قدر اہتمام ملحوظ ہے دراصل انسان اعلان کر کے دیتا ہے تو وہی دیا دوسروں پر بڑائی اور فوقیت، غربار کی تحقیر تحت الشعور موجود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسی کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ آیات میں "فقرار" کا لفظ آیا ہے جو بالکل عام ہے اس میں مومن فقیر ہونے کی کوئی قید و شرط نہیں اس سے فقہار نے استنباط کیا ہے کہ غریب کافر کی بھی امداد کی جاسکتی ہے چنانچہ المنار کی یہ تصریحات قابل غور ہیں لکھتے ہیں کہ انہ اطلق فی الآیۃ لفظ الفقراء ولم یقل فقراء کم فدل ذلک علی ان الصدقۃ تستحب علی کل فقیر وان کان کافرا بلکہ آنے والی آیات تو بالکل اسی طرح کے ایک معاملہ میں نازل ہوئیں چنانچہ ابن ابی شیبہؒ نے حضرت سعید ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے لیس علیک ھدا ھم الخ والی آیات کا شان نزول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ لا تصدقوا الا علی اہل دینکم یعنی صرف مسلمانوں ہی کو دو، دلاؤ۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ آپ کافر فقرار کے ساتھ بھی حسن سلوک کیجیے اسلام و ایمان، کفر و شرک کا اس سلسلہ میں کوئی فرق و امتیاز پیش نظر نہ رہنا چاہیئے کیونکہ ہدایت (اسلام و ایمان) کی توفیق اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے آپ کسی کے ساتھ حسن سلوک میں اس طرح کے فرق و امتیاز کو روا نہ رکھئے فقہار نے لکھا ہے کہ ہر کافر کی امداد کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ برسر پیکار نہ ہو (حربی)۔ جصاص میں ہے کہ المراد اباحۃ الصدقۃ علیہم وان لم یکونوا علی دین الاسلام وقد روی ذلک عن جماعۃ من السلف۔

یہاں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند افادات قابل نقل ہیں لکھتے ہیں۔ (۱) حدیث میں جو آیا ہے کہ تیرا کھانا بس صرف متقی کھایا کریں اس سے مراد دعوت طعام ہے اور آیت میں مراد طعام حاجت ہے پس حدیث و آیت میں کوئی تعارض نہیں (۲) کافر حربی کو صدقہ دینا جائز نہیں (۳) کافر ذمی یعنی کافر غیر حربی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں (۴) اس کے علاوہ باقی صدقات کافر غیر حربی کو دے سکتے ہیں۔ (۵) آیات میں ذکر زکوٰۃ کا نہیں بلکہ صدقات کا ہے لیکن اس کے باوجود کہ صدقہ عام فقرار کو دیا جاسکتا ہے تاہم مسلمان غربار کی امداد بہرحال مقدم ہے چنانچہ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ الخ سے مسلمان فقرار کا استحقاق دکھانا مقصود ہے۔ المنار میں ہے کہ بعد ما امر اللہ تعالیٰ بالانفاق فی سبیل اللہ وبایتاء الفقراء عامۃ نبہ الی امرین احدھما عدم التحرج من الصدقۃ علی غیر المسلم وھو ما بینہ الآیۃ السابقۃ وثانیہما بیان احق الناس بالصدقۃ وھم الفقراء الذین ذکرت صفاتھم فی ھذہ الآیۃ یہاں پانچ صفات ذکر فرمائیں ان حضرات کی جو امداد و تعاون کے زیادہ محتاج ہیں (۱) جو دین کے کسی کام میں لگے ہوئے ہوں اور کسب معاش کی انھیں فرصت نہ ہو، جہاد میں مصروف ہوں درس و تدریس اور حصول علم میں، چنانچہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ ہمارے ملک میں اس آیت کا سب سے بہتر مصداق طلبار علم دین ہیں جو پڑھنے میں مصروف ہیں اور کسب معاش کی فرصت نہیں پاتے اور وہ اساتذہ و مدرسین جن کی تنخواہیں قلیل ہیں یا بغیر معاوضہ طلبار کو درس دیتے ہیں۔ (۲) یہ لوگ وہ ہیں جو کسب معاش کے لیے چل پھر نہیں سکتے (۳) اغنیار ان کو ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے غنی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ یہ بڑے حاجتمند ہیں لیکن قناعت و خودداری ان کو کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانے دیتی (۴) ان کو ان کے ظاہری احوال سے پہچانا جاسکتا ہے کہ یہ کتنے ضرورتمند اور امداد کے مستحق ہیں۔ انھیں آیات سے بعض فقہار نے استنباط کیا ہے کہ قرائن سے کسی کے متعلق کچھ کہنا جائز ہے۔ (۵) لگ لپٹ کر نہیں مانگتے قرآن مجید نے اس موقع پر "الحاف" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی مانگنے۔۔۔ میں اصرار، ضد اور الحاح کے آتے ہیں المنار میں ہے کہ فالالحاف ھو الالحاح فی السوال امام رازی نے (باقی بر صفحہ ۷۲)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں (یعنی بلا تخصیص اوقات)، پوشیدہ اور آشکارا (یعنی بلا تخصیص حالات)، سو ان لوگوں کو ان کا ثواب

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ

ملے گا ان کے رب کے پاس　اور نہ اُن پر کوئی خطرہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے　اور جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے

الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ

ہوں گے (قیامت میں قبروں سے)، مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر (یعنی حیران و مدہوش)،

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ

یہ سزا اسی لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے　حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو

الرِّبٰوا ۚ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ

حرام کر دیا ہے　پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہونچی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے (لینا) ہو چکا ہے وہ اسی کا رہا

اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞

اور (باطنی معاملہ) اس کا خدا کے حوالہ رہا اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جاویں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۞

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں　اور صدقات کو بڑھاتے ہیں　اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو (اور) کسی گناہ کرنیوالے کو

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے اور (بالخصوص) نماز کی پابندی کی　اور زکوٰۃ دی　ان کے

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا

لئے ان کا ثواب ہوگا ان کے پروردگار کے نزدیک اور (آخرت میں) اُن پر کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے　اے ایمان

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞

والو اللہ سے ڈرو　اور جو کچھ سود کا بقایا ہے　اس کو چھوڑ دو　اگر تم ایمان والے ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱) اس سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ مانگنا زیادہ بُرا نہیں ہاں مانگنے میں اصرار قبیح ہے لیکن روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک قول نقل کیا ہے کہ صحابہ بالکل ہی سوال نہیں کرتے تھے اس رائے کے پیش نظر لا یسألون الناس الحافاً کے معنی مطلق سوال نہ کرنے کے ہوں گے روح المعانی میں ہے کہ والمعنی انھم لا یسألون اصلاً وھو المروی عن ابن عباس والیہ ذھب الفراء والزجاج واکثر ارباب المعانی اخیر میں پھر اس حقیقت کو تازہ فرما دیا کہ تمام اعمال و معاملات پر خدائے علیم و بصیر مطلع ہے اسلئے جزا و سزا میں ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔ (مترجم)

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ

پھر اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہوگا) اور اگر تم توبہ کرلوگے

فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ وَاِنْ كَانَ

تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جاویں گے نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤگے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پاویگا اور اگر تنگدست

ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک اور یہ (بات) کہ معاف ہی کردو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى

تم کو (اس کے ثواب کی) خبر ہو اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤگے پھر ہر شخص کو اس کا

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

کیا ہوا (یعنی بدلہ) پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔

"جو لوگ اپنا مال رات اور دن (اور) پوشیدہ و آشکارا خرچ کرتے ہیں سو ان لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے، نہ ان کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ جو لوگ سود کھاتے رہتے ہیں وہ لوگ اس شخص کی طرح بس کھڑے ہوسکیں گے جسے شیطان نے جنون سے خبطی بنا دیا ہو اور یہ سزا ان کے یہ کہنے کی وجہ سے ہوگی کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ایک چیز ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت (تجارت) کو جائز قرار دیا اور سود کو حرام کیا ہے، پھر جس کسی کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہونچ گئی اور وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے ہوچکا وہ اس کا ہوچکا، اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ رہا لیکن جو کوئی پھر سودی کاروبار اختیار کرے تو یہی لوگ دوزخ والے ہیں اس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی کفر کرنے والے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لیے ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہوجاؤ جنگ کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کرلوگے تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں نہ تم کسی پر ظلم کروگے اور نہ تم پر کسی کا ظلم ہوگا، اور اگر تنگ دست ہے تو اس کے لیے آسودہ حالی تک مہلت ہے اور اگر معاف کردو تو تمہارے حق میں اور بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤگے پھر ہر شخص کو اس کا معاوضہ پورا پورا ملے گا اور ان پر ظلم ذرا بھی نہ ہوگا۔"

فضائل صدقات

ارشاد ہے کہ جو لوگ اپنے اموال دن رات، پوشیدہ اور ظاہر غرضیکہ ہر وقت اور ہر طرح خرچ کرتے

ہیں اور جب کبھی ان کے پاس کوئی حاجتمند آیا تو انھوں نے اس کے سوال و ضرورت کو پورا کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہ کی ایسے لوگ اپنا اجر خدا تعالیٰ کے پاس خوب پائیں گے اور اس راہِ خدا میں دینے دلانے کے نتیجہ میں قیامت کے دن نہ ان کو کوئی پریشانی ہوگی اور نہ یہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے سرًّا و علانیۃً دونوں حال ہیں، کہتے ہیں کہ یہ آیات سیدنا ابی بکر الصدیق کے بارے میں نازل ہوئیں آپ نے چالیس ہزار اشرفیاں اس طرح تقسیم کیں کہ دس ہزار رات کے وقت میں اور دس ہزار دن کے اجالے میں، دس ہزار پوشیدہ اور باقی دس ہزار آشکارا، اور بعض کہتے ہیں کہ آیات علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے متعلق ہیں جن کے پاس صرف چار درہم تھے، اور انھوں نے ان چاروں کو اسی طرح مختلف اوقات اور مختلف احوال میں تقسیم کیا جیسا کہ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے کیا، واللہ اعلم۔

سود اور اس پر قدغن شدید

صدقات کے اہم فضائل، اس سے متعلق ترغیبی مضامین کے بعد اب دنیا کی اس سب سے بڑی لعنت کا ذکر فرما رہے ہیں جسے دنیا سود کے نام سے جانتی پہچانتی ہے، علماء کی اصطلاح میں سود کی تعریف یہ ہے کہ آپ کسی شخص سے زیادہ مال طلب کریں، حالاں کہ یہ مطلوبہ زائد مال کسی بھی آپ کی دی ہوئی چیز کا معاوضہ اور بدل نہیں۔ مثلاً آپ سے کسی شخص نے پچاس روپے لیئے آپ اس سے واپس ساٹھ لیتے ہیں۔ پچاس تو پچاس کے معاوضہ میں آگئے لیکن یہ باقی دس یہ کسی بھی مال کا معاوضہ نہیں، بلکہ قطعاً زائد ہیں بس اسی دس روپیہ کو سُود کہا جائے گا۔ عربی رسم الخط میں ربٰوا کو واؤ کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسا کہ زکوٰۃ اور صلوٰۃ کے الفاظ، ربوا کے بعد ایک "الف" بھی لکھا جاتا ہے یہ واو جمع سے اس کو مشابہ قرار دینے کے لیئے، فرماتے ہیں کہ جو لوگ سود خوری کرتے ہیں وہ قیامت کے روز جب اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو بالکل اس طرح اٹھیں گے جیسا کہ کوئی دیوانہ ہو جس کے سر پر شیطان سوار ہو، دنیا میں سود خوار کی حالت، سودی کاروبار، روپیہ کے جمع کرنے، لوگوں سے لین دین کے تمام مراحل میں بالکل پاگلوں کی سی ہوتی ہے خدا تعالیٰ نے اس کی اسی دیوانہ پن کی سزا، قیامت میں، ایک مکمل جنون کی شکل میں اس پر طاری کردی، عربی لغت میں خبط کے معنیٰ درخت سے غیر مرتب طور پر پتے جھاڑنے کے آتے ہیں، گویا کہ قیامت میں سود کھانے والوں کی سب سے بڑی علامت یہی ہوگی کہ وہ جنون زدہ اٹھیں گے،

بعض مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ قیامت میں جب مردے قبر سے اٹھیں گے تو سب اس موقع پر جمع ہو جائیں گے جہاں حساب و کتاب ہوگا، سود خوار بھی چاہے گا کہ وہاں بعجلت پہونچے لیکن قدرتی طور پر وہ اپنے جسم کو اس قدر بھاری پائے گا کہ کھینچ نہ کھنچے گا اُٹھے گا لیکن گر پڑے گا، چلنا چاہے گا لیکن نہ چل سکے گا یہ سزا ہوگی، عذاب ہوگا، اور بُرا نتیجہ ہوگا اس کی سود خواری کا۔

فرماتے ہیں کہ سود کھانے والوں کو یہ سزا اس لیئے دی گئی کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بعینہٖ سود کی طرح ایک چیز ہے آیات میں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ یوں نہیں ارشاد فرمایا گیا کہ سود، تجارت کی طرح ہے بلکہ ارشاد ہے کہ تجارت، سود کی طرح ہے یہ اس لیئے کہ سودی کاروبار والوں کی اصل ذہنیت سامنے آجائے کہ وہ ظالم اب اس درجہ بیگانہ عقل ہو گئے کہ سود اور تجارت میں کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ دونوں کو بالکل جائز کاروبار کی حیثیت دیتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ نے سود کو قطعاً حرام قرار دیا اور اس کے مقابلہ میں تجارت جائز و حلال پیشہ ہے، بھلا حرام اور حلال دو مقابل کی چیزیں کس طرح ایک ہو سکتی ہیں ان ارشادات سے اہم فقہی اصول یہ بھی معلوم ہوا کہ قیاس و رائے، نصوصِ قطعیہ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت و اہمیت نہیں رکھتیں چناں چہ

خدا تعالیٰ نے ان کی اس رائے پر کہ تجارت و سود ایک طرح کے کام ہیں صاف فرما دیا کہ ہم نے ایک کو حرام قرار دیا اور دوسری چیز کو حلال پھر ہماری اس وضاحت کے مقابل میں تمہاری رائے کیا حیثیت رکھتی ہے، ارشاد ہے کہ اس وضاحت کے بعد جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نصیحت پہونچی یا سود کے لینے دینے پر شدید قدغن

وہ سود کا کام کر چکا اس پر کوئی مواخذہ نہیں اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے سپرد ہے خدا تعالیٰ جو چاہیں گے قیامت میں اس کے بارہ میں فیصلہ فرمائیں گے اور جو شخص ان تصریحات کے باوجود اسی ناجائز مشغلہ میں مصروف رہیں گے، وہ جہنمی ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، کیونکہ انھوں نے سود کو جائز و حلال قرار دیکر ایک حرام چیز کی حلت کا فیصلہ کیا۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا ہے یہ کفر ہے اور کفر کی سزا جہنم کے ابدی آتشیں ماحول میں رہنا سہنا ہے

کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور اپنے نظریہ پر ان آیات کو دلیل بناتے ہیں قطعاً غلط ہے کیونکہ فاسق حرام کو حلال، اور حلال کو حرام سمجھنے و سمجھانے کا مرتکب نہیں ہوتا پھر اس کو اس سزا کا کیسے مستحق سمجھا جائے جو حرام و حلال کے امتیازات کو میٹ دینے والوں کے لیے مخصوص ہے۔

سودی کاروبار کی بے برکتی

ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سودی کاروبار میں برکت پیدا نہیں ہونے دیتے اور آہستہ آہستہ وہ تمام مال تباہ ہو جاتا ہے جو سود سے جمع کیا جاتا ہے، اور اس کے مقابل میں صدقات وخیرات سے مال میں خوب برکت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ”زکوٰۃ کی وجہ سے مال میں کبھی کمی نہیں ہوتی“، فرماتے ہیں کہ اللہ ایسے آدمیوں کو ہرگز پسند نہیں فرماتے جو حلال و حرام کی تمیز اٹھا دیں اور ممانعت کے باوجود سود خوری میں مبتلا رہیں۔ اور جو لوگ ایمان وعقیدہ کی درستگی کے ساتھ، اچھے کام کریں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں، ان کو اللہ تعالیٰ بہترین اجر عنایت فرمائیں گے۔ بروز قیامت ان کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ اپنے انجام کے بارے میں کسی تشویش میں مبتلا ہوں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ روز قیامت میں مؤمنین سے خاص طور پر وہ مراد ہیں جو سود کی حرمت پر یقین و ایمان کی دولت سے سرافراز ہیں،

سودی کاروبار یکسر ختم ہونا چاہیئے

ارشاد ہے کہ اے مسلمانو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سودی کاروبار کو یکسر چھوڑ دو، جو لوگوں سے تمہارے معاملات سود کے ہیں ان کو بھی ختم کر دو اور ان سے ہرگز سود وصول نہ کرو، مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیات ”ثقیف“ کے بارہ میں نازل ہوئیں، ان کی ایک رقم قریش کے کسی خاندان پر مع سود چلی آتی تھی جس کی وصولیابی کی انھوں نے کوشش کی تو یہ آیات نازل ہوئیں، فرمایا گیا کہ ایمان انسان کو خدا تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کی جانب بلاتا ہے سو اگر تم واقعی مومن ہو تو ہمارے اس حکم کو مانو اور ہرگز سود نہ لو،

اعلانِ جنگ

اور اگر تم سودی کاروبار سے باز نہیں آئے تو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے تمہارے ساتھ اعلانِ جنگ ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں تو ثقیف نے کہا کہ ہم میں یہ طاقت نہیں کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کریں اس لیئے ہم اپنا سارا کاروبار اور پہلے کے مطالبے آج ختم کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر تم آئندہ کے لیئے سود لینے سے بالکلیہ توبہ کر لو، تو پھر تمہاری اصل رقم واپس دلا دی جائیگی، جس میں نہ اضافہ ہوگا اور نہ کمی، اور اگر تمہارا کوئی مقروض ایسا ہے جو بے چارہ سردست تمہارا قرضہ چکا نہیں سکتا تو انسانیت و شرافت کے ناتے تم سے اپیل کی جاتی ہے کہ اس کو مہلت دو اور اس وقت تک مطالبہ موقوف رکھو تا وقتیکہ اس کے

حالات قرض کی ادائیگی کے لیے ساز گار ہوں اور یہ تو بڑا ہی اچھا ہو اگر تم تنگدست مقروض پر اپنی واجب رقم بالکل معاف کر دو یا اس کی سہولت کے لیے کچھ تخفیف کر دو۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ ان آیات میں معاف کر دینے کا مطالبہ نہیں بلکہ "صدقہ" سے مراد وہی مدت میں توسیع اور مقروض کے حالات کے پیشِ نظر رقم کی ادائیگی کے مطالبہ کو التوا میں ڈالنا ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے قرض کے مطالبہ میں اس لیے سہولت برتے کہ ابھی مقروض کے حالات ساز گار نہیں تو یہ سہولت اس قرض خواہ کے حق میں ایسی ہے جیسا کہ وہ ہر روز خدا تعالیٰ کے لیے صدقہ کر رہا ہو، آپؐ کے اس ارشاد میں لفظ "صدقہ" التوا کے لیے استعمال ہوا ہے اس لیے مفسرین کی یہ بھی رائے ہوگئی کہ آیات میں بھی صدقہ سے مراد یہی مدت کی توسیع ہے، فرماتے ہیں کہ مقروض کو مناسب سہولتیں۔ کاش کہ تم جانتے اس میں تمہارے لیے کتنا عظیم اجر ہے ارشاد ہے کہ اس دن سے ڈرو جب کہ تم کو خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا ہوگا اور اس دن انسان کو اس کے تمام اعمال کی پوری پوری سزا و جزا دی جائے گی اس میں ذرا بھی کمی و زیادتی نہ ہوگی، مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بالکل آخری آیات ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں اور جبرئیل علیہ السلام نے یہ بھی آپؐ سے عرض کیا کہ آپ ان کو سورۂ بقرہ کے فلاں موقعہ پر رکھیئے۔ کہتے ہیں کہ آپؐ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد اکیس[۲۱] روز یا اکیاسی[۸۱] دن یا سات روز بلکہ ایک قول میں کل تین گھنٹے اس دارِ فانی میں اپنی حیاتِ ظاہری کے ساتھ تشریف فرما[۵۹] رہے۔

---

[۵۷] خدائے برتر و دانا نے بہت تفصیل سے صدقات، خیرات، امدادِ باہمی، غرباء کے ساتھ مالی تعاون اور رؤساء و اغنیاء کے اموال میں فقراء کی شرکت پر کلام فرمایا، صدقات کے فضائل ذکر کیے، کس کو صدقہ دینا چاہیئے۔ اس بارہ میں راہ نمائی دی۔ اب ان آیات میں صدقات کے اوقات پر گفتگو ہے، گویا کہ صدقہ میں ایک طرف اگر اس حیثیت سے تعمیم تھی کہ سب کو دو تو دوسری جانب اوقات کی بھی پابندی ختم کر کے، ہر وقت، ہر لمحہ، ہر گھڑی دینے دخیرات کرنے کے لیے نیک کام کو عام فرما دیا، چنانچہ تعریف ہے ان لوگوں کی جو اپنے اموال دن، رات، صبح و شام، علانیہ و آشکارا، پوشیدہ و مخفی طور پر دیتے ہیں، مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے رات کے تذکرہ کو (لیل) دن سے مقدم فرمایا رات کی یہ تقدیم علامت ہے کہ صدقہ میں خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ اقدام کسی کی امداد پوشیدہ طور پر کرنا ہے ایسے ہی علانیہ کے الفاظ پر "سر" کو مقدم فرما کر پھر اسی حقیقت کا اعادہ فرمایا۔

المنار میں ہے کہ "وفی تقدیم اللیل علی النہار والسر علی العلانیۃ ایذان بتفضل صدقۃ السر" لیکن دن اور رات آشکارا و پوشیدہ کے الفاظ کو جمع کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ اب بات مصلحتِ وقت اور صورتِ حال کے اصل تقاضہ پر موقوف ہے جو اقدام تم کو مناسب معلوم ہو رات میں امداد کا یا دن کے اجالے میں، پوری خاموشی و اخفاء کے ساتھ یا اعلان کے جلو میں یہ فیصلہ خود دینے والا کرے، چنانچہ المنار میں ہے کہ "ولکن الجمع بین السر والعلانیۃ یقتضی ان لکل منہما موضعا تقتضیہ الحال وتفضلہ المصلحۃ لا یحل غیرہ محلہ" آیات کے شانِ نزول کے سلسلہ میں مصنف مدارک نے حضرت ابوبکر الصدیق و سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے اسماء گرامی ذکر کیے ہیں۔ ابنِ جریر وغیرہ میں ان حضرات کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ کے نام بھی ملتے ہیں بہر حال یہ آیات عام ہیں اور وہ سب حضرات اس اجر و مدح کے واقعی مستحق ہیں جو اپنے اموال کی اس طرح (باقی برصفحہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶) تقسیم کرتے ہیں، صدقات وخیرات کے اس تفصیلی بیان کے ساتھ خدا تعالیٰ نے سود کے اہم ترین مسئلہ پر گفتگو فرمائی اور دنیا کی اس سب سے بڑی لعنت پر مفصل ارشادات، اس کے ہولناک نتائج، سود خوار کی بدترین زندگی، معاشرہ میں اس کے برے نظام پر ارشادات فرمائے، سود سے متعلق موجودہ وقت کے نظریات، اور کاروبار میں اس لعنت کے قعودی وغیر قعودی دخل و مداخلت پر ضرورت ہے کہ ایک مختصر لیکن جامع نوٹ سپردِ قلم کیا جائے، ہم اس موقعہ پر جدید وقدیم تفاسیر سے ماخوذ یہ ایک نوٹ سپردِ قلم کرتے ہیں۔ واللہ ہو المعین۔

سودی کاروبار، اسلام کا نظریہ اور دورِ حاضر میں سود کا فروغ

قرآن مجید نے اس موقعہ پر لفظ ربٰوا استعمال کیا ہے لغت عربی کے اعتبار سے ربٰوا کے معنی ہر زیادتی کے آتے ہیں خصوصاً سرمایہ میں اضافہ کے لیے یہ لفظ کثرت سے استعمال ہوتا ہے چناں چہ راغب نے مفرداتِ قرآن میں لکھا ہے کہ "الربا زیادة فی راس المال" اور اصطلاح شریعت میں ربٰوا کے معنی بلا معاوضہ مال، مال پر اضافہ کرنا راغب ہی میں ہے کہ "خص فی الشرع بالزیادة علی وجہ دون وجہ" عرب میں سودی کاروبار میں یہ بھی ہوتا اور بکثرت ہوتا کہ رقم سود پر دی اور جب مقروض متعین وقت پر رقم نہ دے سکا تو سودی رقم میں اور اضافہ کر دیتے مثلاً پہلے اگر ایک آنہ فی روپیہ لیا جاتا تو اب ڈیڑھ آنہ فی روپیہ کر دیتے اسی کو اردو میں سود در سود اور عربی میں "اضعافاً مضاعفاً" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، سود دنیا کی وہ سب سے بڑی لعنت ہے جس نے غرباء کے خون کا آخری قطرہ بھی ان کے جسم سے نکال لیا لاکھوں بلکہ کروڑوں افراد اسی سود کی وجہ سے برباد ہو گئے، لوگوں کی جائداد تباہ ہو گئی، کاروبار ختم ہو گئے اور سب کچھ دے دلا کر بھی سود کی لعنت سے رہائی نہ ہو سکی اس کی اسی تباہ کاریوں کے پیش نظر اسلام نے شراب اور جوئے کی طرح ایک ایسی قدغن اس پر لگائی جو اسلام کی منفرد خصوصیت ہے،

چناں چہ طبرانی میں یہ حدیث موجود ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ چھتیس مرتبہ کی زنا کو برداشت فرماتے ہیں لیکن سود کے طور پر حاصل کردہ ایک درہم بھی ان کو برداشت نہیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "سود کے ستر دروازے ہیں اس کا ادنیٰ ترین باب یہ ہے کہ آدمی گویا کہ اپنی ماں سے زنا کر رہا ہے اور سب سے بڑا سود یہ ہے کہ آدمی اپنے مسلمان بھائی کی بے عزتی کرے"۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک درہم بطور سود کے لیا ہوا ستر مرتبہ کے زنا سے بھی بڑا گناہ ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس کا کھانا پینا سود کے ذریعہ سے ہو وہ جہنمی ہو تو بہتر ہے، بلکہ آپ نے اس کی لعنت کو مزید واضح کرنے کے لیے کہ سودی کاروبار میں ان پانچ آدمیوں پر خدا تعالیٰ کی لعنت کی۔ ایک لینے والے پر، دوسرے دینے والے پر۔ دو گواہ جو اس معاملہ میں شاہد ہوں، سود کی تحریر لکھنے والے پر یہ اسلام کا زبردست دنیا پر احسان ہے کہ دنیا کی اس سب سے بڑی لعنت پر یہ بھرپور پابندی بٹھائی ورنہ یورپین اقوام تو آج اس لعنت کو، اپنی اقتصادیات کو سنبھالنے کا سب سے مضبوط و محکم طریقہ سمجھتی ہیں۔

روس کے مفکر ٹالسٹائی نے صحیح لکھا ہے کہ یورپ نے انسانوں کو آزادی دینے میں کامیابی حاصل کی لیکن روپیہ کی غلامی سے وہ انسانوں کو آزاد نہ کرا سکا بلکہ سود کی گرفت نے تو غرباء کی گردن ہی توڑ دی" (دیکھو المنار ص ۱۰۹ جلد ثالث)۔ حیرت ہے کہ آج اقوام یورپ اسلام پر یہ اعتراض کرتی ہیں کہ اسلام نے سودی کاروبار پر پابندی لگا کر مسلمانوں کی اقتصادیات کو تباہ کر دیا اور مسلمان معاشی اعتبار سے برباد ہو کر رہ گئے اور افسوس ہے کہ یہی خیالات بعض جدید تعلیم یافتہ دل ودماغ پر بھی دباتی برش

(بقیہ حاشیہ ۷۷) چھا گئے اور آج اسلامی معاشرہ میں وہ ان باتوں کو پھیلا رہے ہیں حالانکہ یہ نہیں سوچتے کہ اسلام کے پیش نظر دنیا کو حاصل کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں کہ حرام و حلال کی تمیز ختم کر کے محض اقتصادیات و معاشیات کو سنبھالنے کی دوڑ میں آدمی بگٹٹ دوڑا چلا جائے۔ اسلام تو تجارت میں بھی "غبنِ فاحشہ" یعنی خریدار کو بالکل ہی لوٹ لینے کے پروگرام کا حامی نہیں چہ جائیکہ وہ سودی لعنت کو پسند کرے، اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کیا سود ہی صرف اقتصادیات کو سنبھالنے کا ایک واحد ذریعہ رہ گیا، تجارت، زراعت، مصنوعات کو ترقی دینا، جائز ہزارہا کاروبار سب ختم ہو گئے، کہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر معاشی بحران سے محفوظ رہنے کے لئے سود لینے اور دینے پر زور دیا جائے۔ آخر یہ کیا اور اس کی سکراتی کیفیات ہیں کہ دنیا کو حلال و جائز چیزوں کی طرف بلانے کے بجائے حرام و ناجائز عنوانات، نئی دلچسپی کے سامان بنا لیے جائیں۔ اسلام کے پیشِ نظر سود کو حرام قرار دینے میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ امام رازی نے اپنی معرکۃ الآراء تفسیر میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے لفظوں کی معمولی سی تبدیلی کے ساتھ آج بھی وہ پڑھنے کے قابل ہے کچھ چیزیں اختصار کے طور پر ہم بھی نقل کرتے ہیں ہماری اس بحث کو سمجھنے کے لیے پہلے ان چند عنوانات کو خوب ذہن نشین کر لیجیے۔

(۱) اسلام، دنیا کی طلب اور حصول کی ایک حد تک اجازت دیتا ہے لیکن ہر وقت کا یہی فکر کہ دنیا طلب کی جائے اس کے نزدیک پسندیدہ نہیں بلکہ ایک مذموم طریق کار ہے۔

(۲) امدادِ باہمی، اشتراک، غرباء کی ہمدردی، ان کے ساتھ غمخواری اسلام کے نزدیک محبوب مشاغل ہیں۔

(۳) تعطل کی زندگی، اور بغیر جد و جہد روپیہ پیسہ حاصل کرنا اسلام کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔

(۴) اسلام مال و دولت کو اغنیاء کے ہاتھ میں ایک امانت قرار دیتا ہے کسی کو حق نہیں کہ امانتِ الٰہی کو ذاتی ملکیت بنا لے۔

(۵) خدا تعالیٰ نے مال کو وسیلہ معاش بنایا ہے یہ اپنے مزاج کے اعتبار سے پورے معاشرہ میں برابر گھومتا رہنا چاہیے۔

(۶) معاشرہ کا صلاح اس پر موقوف ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ دلی ہمدردی رکھے، وہ اس کی مصیبتوں میں کام آئے نہ کہ اس کے مصائب سے فائدہ اٹھائے

(۷) سودی کاروبار سے انسانوں کے مختلف طبقات میں محبت کے بجائے نفرت، ہمدردی کی جگہ بغض اور دشمنی پیدا ہوتی ہے

(۸) اسلام نے گداگری کی ہمت افزائی نہیں کی بلکہ اس نے دریوزہ گری کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ ہر شخص کو اس حد تک مصروف دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کی زندگی دوسروں پر بار نہ ہو اس لیے وہ ایسے تمام غلط دروازوں کو بند کرتا ہے جن سے بغیر محنت کے حصولِ دولت یا افراطِ زر کے امکانات پیدا ہوتے ہیں۔

(۹) اسلام مال کے ساتھ بہت زیادہ بڑھی ہوئی محبت کو پسند نہیں کرتا۔

(۱۰) قساوتِ قلبی، بے اعتمادی اسلام کی نظر میں پسندیدہ خصائل نہیں اور نہ ان سے معاشرہ میں مطلوب صلاح پیدا ہو سکتا ہے۔

ان مختصر عنوانات کے بعد اب ہم تفصیل سے بتائیں گے کہ سود ہی دنیا میں ایک ایسی بلا ہے جس سے وہ تمام مفاسد بلا واسطہ پیدا ہوتے ہیں جو اسلام کی نظر میں سب سے زیادہ خطرناک ہیں۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی سب کے سامنے ہے کہ آپ کے کاشانۂ نبوت میں کئی کئی روز مسلسل کھانا نہ پکتا، اور فاقہ پر فاقہ ہوتے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے لیکن آپ کو کبھی چھنے ہوئے آٹے کی روٹی میسر نہ آئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر جب خاص آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمرہ کی زیارت کی اور وہاں کی (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بے سروسامانی دیکھی تو روتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قیصر وکسریٰ دنیا میں اس طرح آرام کریں اور عرب وعجم کے شہنشاہ کی یہ بے سروسامانیاں؟۔ تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ اے عمر! مجھے دنیا سے کیا سروکار، اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ کفار اس دنیا میں آرام کریں اور ہم آخرت میں، آپؐ نے ایک بار انھیں حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ابن عمر دنیا میں مسافر کی طرح زندگی گذارو بلکہ ایک راہ گذر کی حیثیت میں۔ آپؐ کی پوری زندگی، آپؐ کی تعلیمات کا بہت بڑا حصہ ترک دنیا اور دنیا کے بس معمولی وضروری حصہ پر قناعت کرنے کے لیئے وقف ہے، اس میں شک نہیں کہ آپؐ کے عہد مبارک میں ایسے بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک تعداد تھی جو موجودہ اصطلاح کے مطابق لکھ پتی تھے لیکن خوب دیکھ لیا جائے کہ مال کی محبت نہ ان کے دلوں میں جاگزیں تھی اور نہ ہوس مال ایک بھوت کی طرح ان کے سر پر سوار تھی بلکہ ان کا مال و دولت اسلام اور غربار کے لیئے گویا کہ ایک وقف تھا۔ خود قرآن مجید نے بھی مال ودولت کے سمیٹنے کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے ارشاد فرمایا ہے۔ "والذین یکنزون الذھب والفضۃ الخ" اور رہا سود خوار سو وہ صبح وشام، روز وشب ہمہ وقت وہمہ اوقات صرف مال کے اضافہ میں لگا رہتا ہے اور اس راہ میں حلال وحرام کی کوئی تمیز اس کے لیئے باقی نہیں رہتی،

(۲) اسلام نے اس پر زبردست زور دیا ہے کہ غربار کے ساتھ دلی ہمدردی کا مظاہرہ ہونا چاہیئے اور اپنے مال میں غربار کو شریک کرنا چاہیئے، سینکڑوں صدقات وخیرات کے ترغیبی مضامین قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہیں، زکوٰۃ، صدقہ فطر، کفارات میں ادائیگی، وغیرہ یہ سب کچھ غربار کی امداد کے وہ مضبوط دروازے تھے جن کو اسلام نے کھول دیا تھا، سودخواری ان تمام دروازوں کو بند کرتی ہے سود خوار مال پر سانپ کی طرح بیٹھتا ہے اور اس کی دولت سے غربار کو کوئی فائدہ نہیں پہونچتا۔

(۳) اسلام نے گداگری کو اس لیئے پسند نہیں کیا کہ اس سے انسان، بے عملی کا شکار ہوکر معاشرہ پر بار بن جاتا ہے، اسلام چاہتا ہے کہ ہر شخص خود کمائے اور کھائے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آتے اور سوال کرتے آپؐ ان کے اس اقدام کی مکمل حوصلہ شکنی کرکے کمانے کی ترغیب دیتے احادیث میں اس طرح کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ جوئے کو بھی اسلام نے اسی وجہ سے ناپسند قرار دیا ہے کہ اس سے بغیر محنت مال کو حاصل کرنے کے رجحانات پیدا ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سود، مالدار کی کسی بھی محنت وعمل کے بغیر روپیہ کو بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے اس لیئے اس لعنت کو اسلام کے عملی مزاج سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔

(۴) روپیہ، پیسہ، مال ودولت اسلام کی نظر میں ایک امانتِ الٰہی ہے جس کو صحیح طور پر اس کے واقعی مصارف ومدات میں پہونچا دینا ایک مسلمان، دولتمند کا سب سے بڑا فریضہ ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے بار بار یہ بتاکر کہ سب کچھ تم کو ہم نے دیا ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وغیرہ مال ودولت کے اسی اماناتی پہلو کو اجاگر کیا اور ظاہر ہے کہ امانت کو روکنا ایک غاصبانہ اقدام ہے۔ سودی کاروبار میں اس امانتِ الٰہی کو غصب کرنے کا پروگرام پوری قوت کے ساتھ کارفرما رہتا ہے

(۵) روپیہ، پیسہ، ایک وسیلہ ہے جس سے ہم اپنے اس معاشرہ میں کام لیتے ہیں اس کو پورے معاشرہ میں وسیلہ کی حیثیت سے گھومتے رہنا چاہیئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو اپنی معرکۃ الآرار تصنیف احیاء علوم الدین میں یوں سمجھایا ہے کہ "سونا اور چاندی خدا تعالیٰ نے وسیلہ کے طور پر ایک عظیم نصیحت کی حیثیت میں انسان کو عنایت کیئے جس سے ہمارے مختلف طبقات میں ضرورت کے سارے کام چلتے ہیں اگر سونا اور چاندی نہ ہوتے تو یقیناً معاشرہ میں کاروبار اور انسانوں کی ضرورتوں کا معاملہ ختم ہوجاتا اس کو یوں سمجھیئے کہ ایک شخص کے پاس زعفران موجود ہے اور اس کو (باقی بر صفحہ ۸۰)

(بقیہ صفحہ ۷۹) اونٹ کی ضرورت ہے۔ دوسرے شخص کے پاس اونٹ ہے اور وہ زعفران کی تلاش میں ہے، اب یہ دونوں شخص ایک دوسرے کی ضرورت کا سامان رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنی ضرورت دوسرے سے پوری کریں لیکن کریں تو کس طرح کریں خدا تعالیٰ کی نعمت کہ سونا اور چاندی پیدا فرماکر اس مشکل کو حل فرمادیا، زعفران کی قیمت لگائی جائے اور ایسے ہی اونٹ کی قیمت روپوں سے مقرر ہوئی اور پھر قیمتوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے اپنا مطلوبہ سامان لے لیں اگر چاندی اور سونا نہ ہوتے تو اونٹ اور زعفران کے ذریعہ اشیاء کا باہم تبادلہ کس قدر دشوار ہوتا پس سونا اور چاندی وسیلہ ہیں اور وسائل پر انفرادی قبضہ یا ان کو سمیٹ کر رکھنا معاشرہ کے بحران کا باعث ہوگا۔ اگر پانی کے ذخیرہ پر شخصی قبضہ نہیں ہو سکتا، اگرچہ گاہیں انفرادی ملکیت میں کلیتہً نہیں جا سکتیں، اگر راستے، ہسپتال، مدرسے اور دوسرے رفاہی کام شخصی حدود وقیود سے آزاد رہیں اس لیئے کہ وہ سب کے لیئے ضروری وسائل ہیں تو بلاشبہ مال ودولت کو بھی شخصی دباؤ سے اس حد تک ضرور آزاد ہونا چاہیئے کہ وہ دوسروں کے لیئے کار آمد ہی نہ رہے، اور اگر دوسروں کے لیئے کار آمد بھی ہو تو یہ ہرگز مناسب نہیں کہ جس کے لیئے کار آمد ہو اس کو ہلاک ہی کر چھوڑے۔ سود میں رقم معاشرہ میں دائر رہنے کے بجائے، شخص واحد کی دولت بن کر رہ جاتی ہے دوسرے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو یہ فائدہ لاکھوں نقصانات بلکہ مکمل تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اسلام کا وہ صاف مطالبہ کہ اپنے مال سے دوسروں کو نقصان پہونچائے بغیر فائدہ پہونچاؤ سودی کاروبار سے ہرگز پورا نہیں ہو سکتا۔

(۶) ہمارا یہ معاشرہ چل نہیں سکتا تا وقتیکہ ہم ایک دوسرے کے کاروبار میں شرکت نہ کریں اور مصائب ومشکلات میں بھرپور ہمدردی وغمخواری نہ کریں، کسی کی مصیبت سے فائدہ نہ اٹھائیں بلکہ اس کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھ کر پوری طرح دفاع میں سرگرم ہوں، اور سود خوار ٹھیک اس وقت کسی غریب اور ضرورت مند کا خون چوستا ہے جب وہ بے چارہ مالی مشکلات کے بحران میں مبتلا ہو کر زیست وموت کی کش مکش میں مبتلا ہو، سود خوار اس کی مدد تو کیا کرتا، قرض تو کیا دیتا بلکہ وہ اس کی پریشانی سے فائدہ اٹھاکر، ضرورت مند کو ایک ایسے چکر میں مبتلا کر دیتا ہے جس سے وہ اب بڑی مشکل سے نکل سکے گا۔ اسلام کے اس جذبہ کی قطعاً ہمت افزائی نہیں کر سکتا۔

(۷) مال کی محبت کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان ہر ایک کی طرف سے بے اعتماد ہو جاتا ہے اور مال میں اضافہ کی جدّ وجہد معاشرہ میں مختلف جماعتوں کے درمیان نفرت وعداوت پیدا کرتی ہے۔ کمیونزم کے پس منظر سے واقف اہل نظر پر خوب واضح ہے کہ غربت وسرمایہ داری کی کشمکش نے دنیا میں خطرناک ترین اقتصادی نظریہ کو جنم دیا جس کے نظریات پھر صرف اقتصادی حدود ہی میں پابند نہ رہ سکے بلکہ بڑھ کر مذہب کے حقیقی معتقدات سے بھی مذاق کرنے لگے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ، مذہب، رسالت، نبوت، آخرت، جہنم، جنت، تمام مذہبی مسلمات، کمیونزم کی نظر میں ایک مذاق اور ان پر عقیدہ رکھنے والا انسان سوسائٹی کا بدترین دشمن قرار دے دیا گیا، کہا جا سکتا ہے اور یہ کہنا مبالغہ سے بالکل خالی ہوگا کہ اگر اسلام کے ان اہم معاشی اصول پر معاشرہ عمل کرتا جن کی رُو سے ہر شخص کو روٹی ملنا ضروری ہے اور امراء اپنے مال ودولت سے غرباء کی ہر وقت امداد کرتے رہتے تو دنیا میں کمیونزم کبھی وجود پذیر نہ ہوتا، بے اعتمادی، عداوت وبغض، مال کی محبت کی پیداوار ہیں اور سود میں تو یہ معاشرہ کو زبردست ہیجان میں مبتلا کر دینے والے خوفناک نتائج لازمی طور پر پیدا ہوتے ہیں جب انسان محسوس کرتا ہے کہ سود خوار اس کے خون کو جونک کی طرح لگ کر چوس رہا ہے تو اس کو سود خوار سے محبت نہیں ایک شدید دشمنی یقیناً پیدا ہو جائے گی اور اس طرح مختلف طبقوں میں وہ اتحاد کبھی پیدا نہ ہو سکے گا جو (باقی حاشیہ بر صفحہ ۸۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسلام کا بہت بڑا مطلوب ہے اس لیئے بھی کہ اسلام نے سودی کاروبار پر شدید قدغن لگائی۔

(۸) اسلام ہر ایک کو اس حد تک مصروف عمل دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کھانے پینے کے معاملہ میں کسی کے لیئے بار نہ ہو، احادیث ان وعیدات سے لبریز ہیں جن میں بلا ضرورت سوال کرنے پر بہت سے عبرت ناک عذاب کی اطلاع دی گئی ہے، اگر کوئی واقعی ضرورتمند ہو اور ساتھ ہی عملی جد وجہد سے مجبور تو یہ مسلمانوں کا امیر طبقہ اس کی امداد کرے یا پھر براہِ راست بیت المال اس کی کفالت کے لیئے آگے بڑھے یہ اسلام کے صاف اور واضح رجحانات ہیں۔ پھر یہ اسلام کی بالغ النظری ہے کہ وہ اہم ترین اور بنیادی مفاسد پر روک ٹوک لگانے کے ساتھ ان تمام خطرناک دروازوں کو بھی بند کرتا چلا جاتا ہے جو اگر بلا واسطہ نہیں تو بالواسطہ انھیں خطرناک مفاسد ورجحانات کو پرورش دیتے ہیں اس نے اگرگداگری کو اس لیئے ناپسند کیا کہ اس سے انسان میں بے عملی کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں تو اسی لیئے جوا، لاٹری، سود وغیرہ کو بھی حرام قرار دیا کیونکہ یہ سب بھی وہی دروازے ہیں جن سے گذر کر انسان میں کسی جد وجہد کے بغیر افراطِ زر کی مذموم طلب بڑھتی ہے اور پھیلتی ہے۔

(۹) سودی کاروبار وہی شخص کرتا ہے جو مال و دولت سے غیر معمولی دلچسپی رکھتا ہو یہ ایک صاف مشاہدہ اور تجربہ ہے بلکہ مال کی محبت ہی انسان کو حلال وحرام کی تمیز سے بھی محروم کر دیتی ہے اور مال سے اتنی محبت جو کہ اس کو حلت وحرمت کی قیود ات سے بھی آزاد کر دے اسلام کے لیئے مطلوب تو کیا قابلِ ترک واجتناب ہے اس لیئے ضروری تھا کہ سود کو اسلام حرام قرار دے۔

(۱۰) مال کی محبت انسان میں شدید ترین قساوت اور بے اعتمادی کے رجحانات پیدا کرتی ہے۔

علامہ رشید رضا مرحوم نے "المنار" میں اس سلسلہ میں ایک عبرت انگیز واقعہ لکھا ہے۔ لکھا ہے کہ مصر میں ایک صاحب اس درجہ مخیر اور فیاض طبع تھے کہ لوگ ان سے قرض کے طور پر رقوم لیتے تو وہ ممنون ہوتے تھے اور کمرہ کے اندر لے جاکر قرضخواہ کو قسمیں دیتے کہ کسی سے ہرگز اس کا ذکر نہ کرنا کہ میں نے تم کو قرض دے کر بروقت تمہاری امداد کی ہے یہ تو تمہارا مجھ پر احسان ہے کہ تم نے ضرورت کے وقت میں مجھ سے مدد طلب کی اور اس طرح میرے لیئے اجر وثواب کا ایک موقع بہم پہونچایا، اور جب قرض خواہ کہتا کہ آپ کوئی تحریر تو لکھ لیجئے اتنی بڑی رقم آپ مجھ کو دے رہے ہیں اور کسی لکھا پڑھی کے بغیر، خدا جانے کل کیا حالات پیش آئیں اور میری نیت کیا سے کیا ہو جائے؟۔

تو وہ اس پر کہتے کہ میاں لکھنے پڑھنے اور کاغذ وتحریر کا کیا سوال، تم نے مانگا میں نے دے دیا۔ دو تمہارا ایمان، نہ دو تو میرے گھر سے کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دیا دے دیا نہ ہوتا تو کہاں سے دیتا، لیکن جب یہی صاحب سودی کاروبار کے چکر میں مبتلا ہوئے تو دنیا نے حیرت سے دیکھا کہ اپنے حقیقی لڑکے کو بھی انھوں نے رقم سود پر دی، اور بے اعتمادی کا یہ عالم کہ اس سے بھی سرکاری تحریر لے کر اپنا اطمینان کیا، یہ ہیں وہ خطرناک نتائج جو سود خوری کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور جن کے پیشِ نظر اسلام نے ہر طرح کے سود پر حرمت کا فتویٰ جاری کر کے معاشرہ کی اس سب سے بڑی لعنت کو ہمیشہ کے لیئے ختم کرنا چاہا ہے، یہاں پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ آجکل سود کی جو تجارتی شکلیں چل رہی ہیں مثلاً بینکوں میں روپیہ رکھ دیا اور اس پر سود مل رہا ہے شاید ہمارے مذکورہ بالا خوفناک نتائج ان سے پیدا ہونا متوقع نہ ہوں اور اس لیئے بعض علماء کی نظر میں اس طرح کے سودی کاروبار میں کوئی مضائقہ بھی نہ ہو لیکن بلا معاوضہ روپیہ کا حصول جو سود کی اصل صورت ہے یہاں پر یقیناً موجود ہے اور بلا معاوضہ روپیہ ملنا ہی اسلام کی نظر میں جرم ہے، اس لیئے سود کی تعریف یہاں بالکل صادق ہے خواہ نتائج اس کے اتنے ہولناک نہ ہوں جو شخصی سودی کاروبار میں یقیناً رونما ہوتے ہیں اور جن علماء نے غیر مسلم حکومتوں (باقی بر صفحہ ۸۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱) میں اس طرح کے کاروبار کی فی الجملہ اجازت دی بھی ہے وہ دوسرے مصالح وحکم پر موقوف ہے۔
ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنے قارئین کے اس مطالبہ پر کہ ایک پارہ ایک مرتبہ ضرور آنا چاہیئے، اس طرح کی اہم مباحث میں اختصار کو مجبوراً اختیار کرتے ہیں ورنہ سودی کاروبار کے خطرناک نتائج اور شریعت کے اس سلسلہ میں واضح فیصلہ پر ہم بہت کچھ لکھ سکتے تھے، اب آیئے اور آیات متعلقہ کی تفسیر کا مطالعہ کیجیئے، قرآن مجید نے اس موقعہ پر "سود کھانا" لفظ اختیار کیا ہے اس سے کوئی تاویل پسند یہ اشتباہ نہ کرے کہ سود محض کھانا حرام ہے لیکن لے کر دوسرے مقاصد میں اس کا استعمال غلط نہ ہوگا، یہ تاویل یقیناً باطل ہے اور مقصد قرآن پر صریح ظلم ہے۔ "سود کھانا" قرآن نے محض اس نقطۂ نظر سے ذکر کر دیا کہ سود لینے والے اکثر اس کو اسی مقصد کے لیئے استعمال کرتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ سود لینا حرام ہے خواہ لے کر وہ کسی بھی کام میں لگایا جائے۔ روح المعانی نے اسی حقیقت کو صاف کرتے ہوئے لکھا ہے "ای یاخذونہ فیعم سائرالانواع الانتفاع والتعبیر عنہ بالاکل لانہ اعظم ماقصد بہ" یعنی سود کسی بھی مقصد کے لیئے لیا جائے حرام ہوگا اور کھانے کا ذکر تو وہ بس اسی لیئے ہے کہ عموماً آدمی یہی فائدہ سود سے حاصل کرتا ہے، شاید ہماری فارسی اور پھر اس سے اردو میں "سود خوری" قرآن مجید ہی سے منقول ہو کر آئی ہے۔ قرآن مجید نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ یہ جنون زدہ کی طرح اٹھیں گے اگرچہ عام مفسرین کی نظر میں یہ قیام اور کھڑا ہونا عالم آخرت ہی سے تعلق رکھتا ہے چناں چہ اس کی تائید میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک ارشاد آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امت تک یہ نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ان گناہوں سے بچو جو کبھی معاف نہ ہوں گے خصوصاً خیانت اور مالِ غنیمت میں چوری سے، جو شخص چوری کرے گا قیامت کے دن اس چرائی ہوئی چیز کو لے کر آئے گا، اور سود سے بھی بچو یاد رکھو کہ سود لینے والا قیامت کے دن مجنون کی طرح اُٹھے گا۔" (طبرانی) اس حدیث میں صاف طور پر "قیامت کا دن" مذکور ہے جس سے اس معاملہ کا تعلق براہِ راست عالمِ آخرت ہی سے معلوم ہوتا ہے لیکن اس دنیا میں بھی دیکھ لیا جائے کہ سودی کاروبار کرنے والا مال جمع کرنے کی فکر جنون سے کم نہیں رکھتا، اور خود کیا یہ جنون نہیں ہے کہ مال کی محبت میں انسان حرام وحلال کی تمیز اٹھا دے اور قرضخواہ کو اس طرح لپٹ جائے جیسا کہ ایک عقل وشعور سے بے گانہ (مجنوں) دوسروں کو لپٹ جاتا ہے۔
صوفیاء نے لکھا ہے کہ عالم آخرت میں انسان کا حشر انھیں احوال پر ہوگا جن میں وہ دنیا میں مشغول رہا، قرآن مجید اپنی زبان میں "مس" یا "مس شیطانی" سے جنون مراد لیتا ہے۔ راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ "کنی بالمس الجنون یعنی مس سے جنون مراد ہے"۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید بعض اوقات اپنے مخاطب اقوام کے عقائد کو بدستور دُہرا دیتا ہے کیونکہ وہ چیزیں ان کے لیئے جلد سمجھ میں آجانے والی ہوتی ہیں اس لیئے جنون کی نسبت جو شیطان کی جانب کی گئی ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جنون واقعی طور پر شیطان ہی کے مس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف ابوحیان اندلسی نے اشارہ دیتے ہوئے بحر المحیط میں لکھا ہے کہ "قیل اضیف الی الشیطان علی زعمات العرب ان الشیطان یخبط الانسان فیصرع فورداً علی ما کانوا یعتقدون" یعنی جنون کی نسبت شیطان کی جانب اہل عرب کے عقائد کے مطابق ہے "موعظۃ من ربہ" سے مراد یہی حکم حرمت سود ہے، یمحق اللہ الربوا، اللہ تعالیٰ سودی کاروبار میں برکت عطا نہیں فرماتا، مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے کہ "سود سے حاصل شدہ رقم اگرچہ کتنی ہی بڑھ جائے لیکن انجام کار یہ ساری دولت ختم ہو کر رہے گی"۔ معمر رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے کہ اکثر دیکھا گیا کہ سود خوار پر ہر چالیس کے بعد کوئی ایسی قدرتی افتاد آتی ہے جس سے اس کی جمع کردہ تمام دولت ضائع ہو جاتی ہے"، لیکن (باقی بر صفحہ آئندہ ۸۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ

اے ایمان والو! جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد معین تک (کے لیے) تو اس کو لکھ لیا کرو

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۖ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ

اور یہ ضروری ہے کہ تمہارے آپس میں (جو) کوئی لکھنے والا (ہو وہ) انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ اللہ

اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ

تعالیٰ نے اس کو لکھنا سکھلا دیا اس کو چاہیئے کہ لکھ دیا کرے اور وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ وہ حق واجب ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا

مِنْهُ شَيْـــًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ

رہے اور اس میں سے ذرہ برابر (بتلانے میں) کمی نہ کرے۔ پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر خفیف العقل ہو یا ضعیف البدن ہو یا

لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا

خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا کارکن ٹھیک طور پر لکھوا دے اور دو شخصوں کو اپنے

شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ

مردوں میں سے گواہ (بھی) کر لیا کرو پھر اگر وہ دو گواہ مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنائی جاویں)

تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰٮهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰٮهُمَا الْاُخْرٰى ؕ

ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جاوے تو ان میں ایک دوسری کو یاد دلا دے

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ

اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب (گواہ بننے کے لیئے) بلائے جایا کریں اور تم اس (دین) کے (بار بار) لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ وہ (معاملہ) چھوٹا

كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى

ہو یا بڑا ہو یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک، اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار

اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ

ہے اس بات کا کہ تم (معاملہ کے متعلق) کسی شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۸۲) ضحاک کا خیال ہے کہ اس بے برکتی کا اصل منظر قیامت میں سامنے آئے گا، مقروض غریب کو مدت میں مہلت دینا بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس کا کسی پر کوئی حق ہو اور وہ اس کو مہلت دے تو مہلت دینے والے کو اتنا ثواب ملے گا جیسا کہ وہ روزانہ صدقہ کر رہا ہو"۔

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ط وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ص وَلَا يُضَآرَّ

نہ لکھنے پر کوئی تم پر الزام نہیں اور (اتنا اس میں بھی ضرور کیا کرو کہ) خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو اور کسی کاتب کو

كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۵ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط

تکلیف نہ دی جائے اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کروگے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور خدا سے ڈرو

وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ

اور اللہ تعالیٰ (کا تم پر احسان ہے کہ) تم کو تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔ اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور (وہاں)

تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ط فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ

کوئی کاتب نہ پاؤ سو رہن رکھنے کی چیزیں (رہیں) جو قبضہ میں دیدی جائیں اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا

الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ط وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط

اعتبار کر لیا گیا ہے (یعنی مدیون) اس کو چاہیئے کہ دوسرے کا حق (پورا پورا) ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے اور شہادت کا

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○ ع ۳۹

اخفاء مت کرو اور جو شخص اس کا اخفا کریگا اس کا قلب گنہگار ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیئے کاموں کو خوب جانتے ہیں

"اے ایمان والو! جب ادھار کا معاملہ کسی مدت تک کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اور یہ ضروری ہے کہ لکھنے والا بالکل ٹھیک ٹھیک لکھے، اور وہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھایا ہے اس لیے اس کو لکھ دینا چاہیئے اور وہ لکھوائے جس کے ذمہ حق واجب ہے اور اس کو اپنے اللہ پروردگار سے ڈرنا چاہیئے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے، پھر اگر وہ جس کے ذمہ حق واجب ہے کم عقل ہو یا کم زور ہو اور خود لکھوانے کے وہ قابل نہ ہو تو پھر ضروری ہے کہ اس کا منیجر یا کارندہ ٹھیک ٹھیک لکھوا دے، اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں جن کو تم بحیثیت گواہ پسند کرتے ہو تا کہ ان دو عورتوں میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے اگر کوئی ایک ان دونوں میں سے بھول جائے اور گواہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں اور اس معاملہ کو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد تک لکھنے سے اکتا نہ جاؤ۔ یہ تحریر اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے، اور شہادت کو درست تر رکھنے والی، اور اس کی زیادہ سزاوار ہے کہ تم شبہ میں نہ پڑو۔ سوائے اس کے کہ کوئی سودا ہاتھوں ہاتھ.... ہو رہا ہو، جیسے تم اکثر اس طرح کا لین دین کرتے ہی رہتے ہو تو اس صورت میں کوئی الزام نہیں اگر تم تحریر نہ لکھو، اور جب خرید و فروخت کرتے ہو تو اس وقت بھی گواہ کر لیا کرو اور کسی کاتب یا گواہ کو نقصان نہ پہونچایا جائے اور اگر ایسا کروگے تو یہ تمہارے حق میں ایک گناہ شمار ہوگا۔ اور اللہ

سے ڈرتے رہو اور اللہ تمھیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کا بڑا جاننے والا ہے، اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ پاؤ سو رہن رکھنے کی چیزیں ہی جو قبضہ میں دے دی جائیں اور تم میں سے کوئی کسی اور پر اعتبار رکھتا ہے تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیئے کہ دوسرے کی امانت کا حق ادا کردے اور چاہیئے کہ اللہ یعنی اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے اور گواہی کو مت چھپاؤ اور جو کوئی اسے چھپائے گا اس کا قلب گنہ گار ہو گا اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس کا بڑا جاننے والا ہے "

قرض اور بعض احتیاطی اقدامات

ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جب تم کچھ مدت کے لیئے قرض کا معاملہ کرو، عربی زبان میں " داینت الرجل " استعمال ہوتا ہے جس کے معنی قرض لینا اور دینا دونوں آتے ہیں اور یہ مدت متعین ہونی چاہیئے مثلاً کھیت کاٹنے کے وقت تک، یا گامینے کے اوقات تک یا حجاج کی واپسی تک، وغیرہ۔ بہرحال تعیّن مدت کا وقت بہت ضروری ہے تاکہ بعد میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو۔ آیات میں " تداینتم " کے بعد دَین کا تذکرہ موجود ہے حالانکہ " تداینتم " میں خود دَین کا مفہوم موجود تھا اس لفظ کو مستقل ذکر کرنے کی ضرورت اس لیئے پیش آئی تاکہ آنے والے قول " فاکتبوہ " میں ضمیر کو دَین کی طرف لوٹایا جاسکے اور اگر پہلے دَین کا تذکرہ نہ کیا جاتا تو اب کہنا پڑتا کہ " فاکتبوا الدین " اور یہ کچھ حسن تحریر و تقریر سے میل نہ کھانے والے الفاظ اور ترکیب ہوں۔ نیز اس اسلوب سے قرضہ کی ایک خاص نوعیت سامنے آگئی یعنی قرض جس میں مدت کی تعین ہو۔

ان ایات میں تحریر کی ضرورت پر اس لیئے زور دیا گیا کہ تحریر کے بعد تمام معاملہ بالکل صحیح انداز پر طے ہو جاتا ہے، نہ بھولنے کا خطرہ رہتا اور نہ کسی طرف سے اضافہ یا رقم وغیرہ کو گھٹانے کے اندیشے اور نہ مقروض کی جانب سے رقم کے بالکل انکار کر دینے کا امکان، لیکن فقہا نے لکھا ہے کہ یہ حکم کوئی واجب نہیں مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کو اطمینان ہو تو تحریر کرنا ضروری نہیں، بہتر ہے کہ آپ لکھ لیں یہ آپ کے فائدہ کی بات ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں دَین سے مراد عام قرضے نہیں بلکہ بیع سلم مراد ہے (جس میں ایک آدمی مثلاً کاشتکار کو کچھ رقم پہلے دیدے کہ تم فصل پر مجھ کو اتنا اناج دے دینا) ابن عباس رضؓ فرماتے تھے کہ جب خدا تعالیٰ نے سود حرام کر دیا تو سلم کی یہ صورت جائز رکھی لیکن تعینِ مدت کی شرط کے ساتھ، اور اس سلسلے میں یہ طویل آیات نازل فرمائیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے خیال میں سلم میں تعیّنِ مدت ضروری [عہ] ہے۔

عہ خدا تعالیٰ نے سُود کی حرمت، صدقات کی ترغیب اور اس کے بعد قرض، رہن وغیرہ کے مسائل میں رحمت، قساوۃ اور عدالت کو جمع فرما دیا ہے۔ سب سے پہلے خدا تعالےٰ نے صدقات اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی ترغیب دی یہ رحمت ہے اس کے بعد سود سے بشدت منع فرمایا کیونکہ سود خواری قساوتِ قلبی کا نتیجہ ہے اس کے بعد قرض دینے اور لینے کے ایسے احکام بیان فرمائے جن سے یہ معاملہ خوشگوار طریقہ پر طے ہو یہ عدالت ہے، گویا کہ ان مسلسل احکام میں بہی وہ ربط اور مناسبت ہے جس کے پیشِ نظر خدا تعالیٰ نے، ان تمام مسائل کو یکجا بیان فرمایا اس کے ساتھ یہ نکتہ بھی کچھ غیر اہم نہیں کہ سود کو پوری شدت سے اسلام نے روک دیا لیکن ظاہر ہے کہ بعض اوقات آدمی کو شدید مالی ضرورتیں پیش آتی ہیں جن کی وجہ سے (باقی برصفحہ آئندہ)

یہ بھی فرمایا کہ قرضہ کی یہ تحریر جو صاحب لکھیں ضروری ہے کہ وہ انتہائی احتیاط اور احساسِ دیانت کے ساتھ لکھیں نہ بڑھائیں اور نہ رقم کم کر کے لکھیں۔ ان آیات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا، دین کا ضروری علم رکھتا ہو اور قرضہ سے متعلق فقہاء کی تمام شرائط و مباحث اس کو معلوم ہوں تاکہ تحریر میں کوئی بات ضروری چھوٹ نہ جائے اور ایسے ہی خلافِ شریعت کوئی بات نہ آجائے یہ حکم قرض خواہ اور مقروض دونوں کے لیئے ہے اس طرح کا دیانت دار آدمی بہم پہونچانا اور اس سے تحریر لکھوانا ان دونوں کا یکساں فرض ہے، پھر فرماتے ہیں کہ جو صاحب لکھنا جانتے ہوں ضرورت پر اگر ان کو لکھنے کی تکلیف دے تو یہ انکار نہ کریں اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و انعام ان کو نہ بھولنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو لکھنا پڑھنا سکھایا جس سے معاشرہ اور سوسائٹی میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وہ سود لینے پر مجبور ہوتا ہے شریعت کا یہ فیصلہ کہ سود ہرگز نہ لیا جائے اور اس پر شدید قدغن، عام انسانوں کے لیئے ایک اہم پریشانی کا باعث تھا، وہ شریعت کیا جس میں انسان کی تمام مصالح و ضرورتوں کا پورا لحاظ نہ رکھا جائے۔ اس لیئے اگر ایک طرف یعنی سود پر پابندی لگائی تو دوسری جانب قرض کا دروازہ کھول دیا تاکہ ضرورتمند قرض پر لے کر اپنا کام چلا سکیں چنانچہ قرآن مجید میں سود کے معاملہ کو ذکر کرنے کے بعد متصلاً قرض کے مسائل بیان کیئے گئے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ احادیث میں قرض دینے کے بہت فضائل آئے ہیں چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک صاحب جنت میں داخل ہوئے تو اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ صدقات پر اجر دس گنا ملتا ہے لیکن قرض دینے پر اٹھارہ گنا، اور یہی وجہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقروض کو اس کی سہولت اور ادائیگی میں آسانی دینے کے بھی بڑے فضائل بیان فرمائے۔ ارشاد ہے کہ "جو شخص اپنے تنگدست مقروض کو ادائیگی رقم میں سہولت دے مثلاً مدت میں کچھ توسیع کر دے یا بالکل ہی اس کو قرضہ معاف کر دے تو خدا تعالیٰ اس دن جبکہ کسی کے لیئے سایہ نہ ہوگا اس قرضخواہ کو خاص عرشِ اعظم کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے۔ اور کیونکہ قرض خواہ بلا کسی نفع و منفعت کے اپنے بھائی کے ساتھ قرض دے کر حسن سلوک کرتا ہے تو احادیث میں مقروض کو بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ فوراً بلا تاخیر ادائیگی قرض کا انتظام کرے۔ مسلم شریف میں ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ خدا تعالیٰ شہید کے تمام ہی گناہ معاف فرما دیں گے لیکن اگر اس پر قرضہ ہے تو ہرگز معاف نہ ہوگا، ترمذی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ بڑے گناہوں کے بعد سب سے بڑا گناہ جو بندہ خدا تعالیٰ کے یہاں لے کر حاضر ہوگا اور جس سے اس کو روکا گیا ہے یہ ہے کہ آدمی مرے اور اس پر کسی کا قرض ہو غرضیکہ شریعت نے اور قرآن و حدیث نے اس بات میں پوری پیش بندیاں کھڑی کر دیں جس کے بعد اس طرح کے مالی معاملات میں کسی نقصان کا اندیشہ نہیں۔ ان آیات میں جس قدر احکام ذکر فرمائے ہیں وہ قرآنِ حکیم کے جامع اصول و قوانین کا آئینہ دار ہیں، کتنی تفصیل کے ساتھ ان تمام رخنوں کو بند کیا ہے جہاں سے کسی خیانت، یا معاملات میں ایک دوسرے کو نقصان پہونچانے کے امکانات پیدا ہوتے۔ تحریر کی ضرورت، قرضخواہ اور مقروض پر یہ پابندی کہ معاملہ کی واقعی نوعیت زیر تحریر آئے، تحریر لکھنے والے کو بار بار حکم کہ صحیح طور پر تمام معاملہ اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ قلمبند کرے، گواہوں کو حکم کہ وہ شہادت طلب کرنے کے وقت، شہادت دینے سے پہلوتہی نہ کریں یہ سب احکام اسلام کے وہ جامع اور ٹھوس اصول ہیں کہ دوسرے مذاہب ان کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں، دو عورتیں شہادت میں ایک مرد کے قائم مقام کی گئی ہیں اور بیان فرمایا گیا کہ اگر ایک عورت بھول جائے گی تو دوسری اس کو یاد دلا دے گی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک عورت ہوتی اور ایک مرد اور عورت اگر بھول جاتی تو مرد اس کو یاد دلا دیتا پھر بلا وجہ دو عورتیں کیوں شہادت میں مطلوب ہیں۔ اس ذہنی اشکال کا جواب اول تو یہی ہے کہ دو عورتیں ایک مرد کے حکم میں ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر مرد ہی عورت کو یاد دلاتا (باقی بر صفحہ ۸۰)

ان کا وقار قائم ہے اور لوگ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ اس طرح تحریر لکھیں جو اس موقع پر لکھنا ضروری ہے اور جس کی تفصیلات خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں ذکر فرمائی ہیں، سو یہ تحریر لکھی جائے اور تحریر کا مضمون مقروض بتائے کیونکہ قرضہ لے کر وہی ایک دوسرے آدمی (قرضخواہ) کا حق خود پر قائم کر رہا ہے اور اس کی اطلاع دے رہا ہے کہ فلاں آدمی قرض خواہ ہے اور میں مقروض ہوں یہ زبانی اقرار ہو اس کی ادائیگی خود اسی کی زبان سے ہونا چاہیئے، املال اور املاء دونوں لفظ تحریر کے لیے عربی زبان میں استعمال ہیں، فرماتے ہیں کہ مقروض کو خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے نہ تحریر سے انکار کرنا چاہیئے اور نہ اصل رقم کے اظہار میں کمی وبیشی کرنا چاہیئے کہ کل رقم کا انکار یا رقم کے کچھ حصہ کا ذکر تک نہ کرے اور اگر یہ مقروض مجنون و دیوانہ ہو یا کم عقل، یا فضول خرچی کی بناء پر اس کو اپنی رقم میں اس طرح کے معاملات سے قانوناً شرعاً روک دیا گیا ہو یا بچہ ہو یا تحریر کرانے کی قدرت نہ ہو مثلاً گونگا ہو یا زبان میں تتلاہٹ ہو یا اس زبان کو نہیں جانتا جس میں تحریر لکھوائی جا رہی ہے تو ایسی صورت میں ان کا جو کارندہ ہو وہ تحریر لکھوائے، اور یہ کارندہ بھی تحریر میں پوری دیانت ملحوظ رکھے۔

اور یہ بھی بہت ضروری ہے کہ قرضہ کے اس معاملہ پر ایسے دو مسلمان مرد گواہ بنالیے جائیں، جو مسلمان ہوں، آزاد ہوں، بالغ ہوں لیکن حنفیہ کی رائے میں کافر اگر کسی کافر کے قرضہ کے معاملہ میں گواہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہاں اگر یہ معاملہ دو مسلمانوں میں چل رہا ہے تو احناف مسلمان شاہد ہی کو بطور شاہد لیں گے، اور اگر دو مسلمان مرد میسّر نہ آئیں تو پھر ایک مرد اور دو مسلمان عورتیں بھی شہادت و گواہی کے لیئے کافی ہوں گی۔ احناف کے یہاں حدود وقصاص کے علاوہ باقی تمام معاملات میں مرد کے ساتھ عورتیں شہادت دے سکتی ہیں، ان شاہدوں کے انتخاب میں خدا تعالیٰ نے یہ سہولت دی ہے کہ تم ان کو شاہد مقرر کرو جن کی امانت و دیانت پر تم کو اعتماد ہو۔ آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "غیر پسندیدہ آدمی" شاہد ہو سکتا ہے اگرچہ بہتر یہی ہے کہ اپنے جانے بوجھے آدمی کسی معاملہ پر شاہد بنائے جائیں، فرماتے ہیں کہ دو عورتوں کی شہادت اس لیئے ضروری ہے کہ اگر ایک عورت معاملہ کے کسی جزء کو بھول جائے تو دوسری عورت اس کو بر وقت یاد دلا سکے۔

پھر ارشاد ہے کہ اگر کسی ضرورت پر شہادت ضروری ہے تو یہ شاہد، شہادت دینے سے انکار نہ کریں بلکہ ادائیگی شہادت کو اپنا ایک فریضہ سمجھتے ہوئے بلا کم وکاست شہادت دے دیں۔ یہ بھی ارشاد ہوا کہ تحریر سے اکتائیں نہیں بلکہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ضرور لکھ لیا جائے۔ قرآن مجید کی ان آیات سے بعض فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ کپڑے میں بھی بیع سلم جائز ہے کیونکہ قرآن مجید نے یہاں "صغیراً او کبیراً" کے الفاظ بولے ہیں اور چھوٹے بڑے کا اطلاق ان چیزوں پر نہیں ہوتا جو تول کر یا ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں بلکہ عربی محاورہ کے اعتبار سے ان الفاظ کو گزوں سے فروخت ہونے والی ہی چیز کے لیئے بولا جاتا ہے، اور اگر صغیر اور کبیر کا تعلق تحریر سے ہے کہ معاملہ خواہ کتنی ہی مختصر مدت کے لیئے یا لمبے عرصہ کے لیے، چھوٹا ہو یا بڑا مگر اس کی تحریر ضرور ہو جانی چاہیئے تو اس صورت میں کپڑے میں سلم کے فقہی جواز کے لیئے کوئی گنجائش نہ رہے گی یہ تحریر خود خدا تعالیٰ کے نزدیک کسی معاملہ کو منصفانہ انداز میں طے کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے اس سے واقعہ اور معاملہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۶) تو گویا کہ مرد اپنی شہادت بھی ادا کرتا اور عورت کو یاد دلا کر اس کی شہادت بھی ادا کرتا اس طرح ایک ہی مرد کی دو شہادتیں ہو جاتیں حالانکہ ایک مرد ایک ہی شہادت دے سکتا ہے۔ عورتیں دو مطلوب ہیں۔ اسی سے معلوم ہوا کہ عورت اپنی تمام صلاحیتوں کے اعتبار سے شریعت کی نظر میں مرد کے مساوی نہیں سمجھی گئی۔ (انظر شاہ)

پر بہتر طور پر شہادت بھی پیش کی جاسکتی ہے، تحریر کے بعد معاملہ کے کسی جزء پر بھول جانے یا شک میں پڑنے کے خطرات بھی نہیں رہتے ہاں اگر ہاتھوں ہاتھ سودا ہو رہا ہو تو پھر تحریر کی ضرورت نہیں، لیکن اس ہاتھوں ہاتھ تجارت پر بھی اگر گواہ بنالیے جائیں تو بہت مناسب ہے کیونکہ پھر خرید و فروخت میں کسی اختلاف کا امکان نہ رہے گا، فقہاء نے لکھا ہے کہ تجارتی کاروبار میں شاہد و گواہ بنانے کا یہ حکم محض پسندیدہ ہے ضروری اور واجب نہیں۔

فرماتے ہیں کہ تحریر لکھنے والے اور گواہ کو کسی نقصان میں بھی نہ ڈالا جائے مثلاً گواہ کو صحیح شہادت دینے سے جبریہ روکا جائے یا کچھ دے دلا کر غلط شہادت دلوائی جائے اور اسی طرح تحریر لکھنے والے کو بخوشی یا زبردستی غلط تحریر لکھنے پر مجبور کیا جائے، اور جو شخص اس طرح کا اقدام کرتا ہے تو یاد رکھیئے کہ اس نے ایک بہت بری بات کا ارتکاب کیا، اس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے اور اس احسان و انعام کو ہرگز نہ بھولنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے ہی تم کو دین کے واضح تصورات عنایت فرمادیئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں اس لیئے شہادت و تحریر کو مسخ کرنے کی تدابیر اور کوششیں بھی ان کے علم میں ہونگی اور پھر وہ اس پر عذاب و سزا بھی دیں گے،

رہن رکھنے کی صورتیں اور اس سے متعلق مسائل

اور اگر قرض پر لینے والا اور دینے والا سفر میں ہوں اور کوئی لکھنے والا میسر نہ آئے تو اس صورت میں معاملہ کو اطمینان بخش طور پر طے کرنے کی راہ رہن (گروی) ہے کہ قرض لینے والا اپنی کوئی چیز، قرضخواہ کو دے دے اور جب قرضہ کی ادائیگی ہو تو اپنی چیز واپس لے لے، قرآن مجید نے رہن کے مسئلہ میں اس کو نہایت اہمیت سے ذکر کیا کہ جس مال کو گروی رکھا جارہا ہے قرضخواہ اس پر قبضہ کرے اس سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس فقہی مسلک کا بطلان ہوتا ہے کہ رہن میں صرف کہنے سننے سے کام چل جائے گا ضروری نہیں کہ کوئی چیز قرضخواہ کے قبضہ میں بھی پہونچے، ارشاد ہے کہ اگر قرض خواہ اور مقروض دونوں کو ایک دوسرے پر اعتماد ہے تو پھر نہ تحریر کی ضرورت نہ گواہوں کی حاجت اور رہن کی احتیاج، ان سب چیزوں کے بغیر معاملہ ہو جائے گا، لیکن مدتِ متعین پر ضروری ہوگا کہ مقروض صحیح طور پر ادائیگی رقم کر دے، یہاں خدا تعالیٰ نے قرض کے لیئے امانت کا لفظ اختیار فرما کر مقروض کو توجہ دلائی کہ اس کے ذہن سے قرضخواہ کا یہ احسان فراموش نہونے پائے کہ اس بے چارے نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے کسی بھی احتیاطی اقدام کے بغیر اس کو رقم دی .... تو کیا یہ ظلم نہ ہوگا کہ اس کے ساتھ کوئی غلط معاملہ کیا جائے نہیں اس کو چاہیئے کہ اس کی رقم کو ایک امانت تصور کرے اور پورے احساسِ امانت کے ساتھ بروقت اس کی ادائیگی کر دے، اللہ سے ڈرنا چاہیئے اس طرح کے لوگوں پر خدا تعالیٰ کا عذاب یقینی ہے جو اپنے بھائیوں کے نیک معاملات کا جواب حسنِ معاملہ کے ساتھ نہ دے سکیں۔

شہادت نہ دینا

فرمایا کہ شہادت کا اخفاء ہرگز نہ ہونا چاہیئے اور جو شہادت دینے سے گریز کرتا ہے اس نے اپنے دل کو ایک بڑے گناہ کی آلائش سے ملوث کیا، یہاں یہ نکتہ خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ شہادت کے اخفاء کے جرم کو قلبی آلودگی کا اہم سبب قرار دیا گیا حالانکہ اگر دیکھا جائے تو شہادت کا چھپانے والا گناہ میں نیچے سے اوپر تک ڈوب گیا، پھر دل ہی کو گنہ گار تصور کرنا کہاں تک صحیح ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ شہادت کا اصل تعلق دل سے ہے خصوصاً اس کا اخفاء تو بالیقین دل ہی میں ہوگا گویا کہ اس نے چھپا کر دل ہی کو گناہ کی آلودگیوں سے ملوث کیا ہے اس لیئے گناہ کا تعلق دل کے ساتھ معقول ہے، عام بول چال میں بھی اکثر افعال، اعضاء ہی کی طرف منسوب کر دیئے

جاتے ہیں مثلاً آپ کہتے ہیں کہ اس کو خود میرے کانوں نے سنا، یہ معاملہ میری آنکھوں نے دیکھا، یا میں دل سے اس کو حق جانتا ہوں وغیرہ ایسے ہی عربی زبان میں بھی اعضاء وجوارح کی طرف فعل کی نسبت کا عام رواج ہے، اور ہوسکتا ہے کہ اس تعبیر میں اس طرف اشارہ ہو کہ قلب وہ مرکزی مقام ہے جہاں سے اچھے اور برُے اثرات، انسان کی پوری زندگی پر پھیل جاتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ گوشت کا یہی لوتھڑا اگر ٹھیک ہو تو تمام اعضاء مناسب کام کرتے ہیں اور اگر یہی بگڑ جائے تو پورا انسان فساد کی نظر ہو جاتا ہے اس کی آنکھیں حرام دیکھنے سے نہ گھبرائیں اس کے کان حرام کے سننے سے نہ رکیں اس کے ہاتھ حرام کی طرف اٹھیں وہ اپنے پاؤں سے ان مقامات پر چل کر پہونچ جائے گا جہاں اس کے لیے پہونچنا حرام تھا، تو جو شخص بروقت شہادت دینے سے کتراتا ہے اس کو جان لینا چاہیئے کہ اس جرم کا اثر براہِ راست دل پر ہوگا جس سے شہادت کا یہ چھپانے والا گنہ گار مجرم اپنی پوری زندگی میں گناہوں کی جانب ایک خطرناک رجحان کی پیداوار محسوس کرے گا، اور یہ بھی وجہ قرار دی جاسکتی ہے کہ دل سے جن افعال کا تعلق ہوتا ہے وہ اہم ترین افعال ہوتے ہیں مثلاً کفر و ایمان کا تمام تعلق دل ہی سے ہے اور معلوم ہے کہ تمام انسانی افعال میں کفر و ایمان کو کتنی اہمیت ہے۔ کفر وہ فعل ہے جس پر جہنم کا دائمی عذاب ہے اور ایمان وہ کام ہے جو ابدی نجات کا ضامن ہے اس لیے جس گناہ کا تعلق دل سے ہو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بہت بڑا گناہ ہے شہادت کا اخفاء معمولی گناہ نہیں بلکہ اس تعبیر (یعنی اس گناہ کی قلب کی طرف نسبت) نے سمجھا دیا کہ یہ گناہ کتنی شدید نوعیت کا گناہ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ سب سے بڑا گناہ، شرک ہے، اس کے بعد، جھوٹی شہادت اور پھر شہادت کا اخفاء، اللہ تعالیٰ ہم کو ان گناہوں سے محفوظ رکھے، فرماتے ہیں کہ انسان مطمئن نہ رہے کہ اس کے اعمال و افعال کو کوئی دیکھ نہیں رہا۔ اس کو یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام افعال پر پوری طرح مطلع ہیں اس لیے عذاب و ثواب ضروری امر ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ

اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں۔ اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کروگے یا کہ پوشیدہ

بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

رکھوگے حق تعالیٰ تم سے حساب لینگے۔ پھر (بجز کفر و شرک کے) جس کے لیے منظور ہوگا بخش دینگے اور جس کو منظور ہوگا سزا دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری

قَدِيرٌ ○ اٰمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ

قدرت رکھنے والے ہیں۔ اعتقاد رکھتے ہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مومنین بھی۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ قف لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ

سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اسکی کتابوں کے ساتھ اور اسکے پیغمبروں کے ساتھ کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق

رُسُلِهِ قف وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ○

نہیں کرتے اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے (آپ کا ارشاد) سنا اور خوشی سے مانا ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت (اور اختیار) میں ہو اس کو ثواب بھی اسی کا ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسیکا ہوگا جو ارادہ سے

لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا

کرے۔ اے ہمارے رب ہم پر دارو گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے

كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ

ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار (دنیا یا آخرت کا) نہ ڈالیے جس کی ہم کو سہار نہ ہو

وَاعْفُ عَنَّا وقفہ وَاغْفِرْ لَنَا وقفہ وَارْحَمْنَا وقفہ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا

اور درگذر کیجئے ہم سے، اور بخشدیجئے ہم کو، اور رحم کیجئے ہم پر آپ ہمارے کارساز ہیں (اور کارساز طرفدار ہوتا ہے) سو آپ ہمکو

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ع

کافر لوگوں پر غالب کیجئے ؏

"اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ تمہارے نفسوں کے اندر ہے اگر تم اس کو ظاہر کر دو یا اسے چھپائے رکھو بہرحال اللہ اس کا حساب تم سے لے گا پھر جسے چاہے گا بخشدے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے پیغمبر ایمان لائے اس پر جو ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اور مومنین بھی یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر، ہم اس کے پیغمبروں میں باہم کوئی فرق بھی نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی ہم تیری مغفرت طلب کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور تیری ہی طرف واپسی ہے اللہ کسی کو پابند نہیں فرماتا مگر اس کے تحمل ہی کے مطابق اسے ملے گا وہی جو کچھ اس نے کمایا، اور اس کو وہی نقصان دے گا جو کچھ اس نے کمایا، اے ہمارے پروردگار ہم پر گرفت نہ کر، اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اے ہمارے پروردگار ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ڈالا تھا ان لوگوں پر جو ہم سے پہلے تھے اے ہمارے پروردگار ہم سے وہ نہ اٹھوا جس کی برداشت ہم سے نہ ہو اور ہم سے درگذر کر اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہم کو غالب کر کافر لوگوں پر۔"

بارگاہِ بے نیاز میں انسانی نیازمندیاں

ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ خدا تعالیٰ ہی کی مملوک و مخلوق ہے اس لئے بندہ جو کچھ کرتا ہے خواہ اس کو چھپائے برائی سمجھ کر یا پھر اس کو ظاہر کرے خدا تعالیٰ اس پر محاسبہ ضرور فرمائیں گے اور یقیناً تمام اعمال و افعال پر سزا و جزاء کا ملنا ضروری ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ وساوس اور خیالات (حدیث نفس) اس آیت میں داخل ہیں اس لئے کہ یہ ایسی دو چیزیں ہیں جن پر بندہ کا کوئی اختیار نہیں وہ اگر چاہے بھی تو دل میں پھر بھی خیالات کی دنیا کروٹیں لیتی رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ گرفت و پابندی، یا ثواب و عذاب

کا تعلق انھیں افعال سے جن میں بندہ کا کوئی دخل و عمل بھی ہو۔ ہاں یہی خیالات تاوقتیکہ خیالات تھے ان پر کوئی سزا و جزا نہیں تھی لیکن جب یہ عمل میں آجائیں تو ان پر عذاب و ثواب بالیقین مرتب ہوگا۔ اس کو یوں سمجھیے کہ کفر کا ارادہ بھی کفر ہے، گناہوں اور برائیوں کے خالی ارادے معاف ہیں لیکن گناہ کا پختہ ارادہ کرنے کے بعد خود ہی شرمندہ ہوا اور توبہ کرلی یہ بھی معاف اور اگر برائی کا ارادہ کیا اور یہ ارادہ ابتدائی منزلوں سے نکل کر ایک "عزم" بن گیا مگر قدرتی طور پر کوئی ایسی بات پیش آگئی جس کی بنا پر وہ برائی اس سے سرزد نہیں ہوئی تو بھی اس برائی کے ارادہ پر اس کو وہ سزا نہیں ملے گی جو "کرنے" پر ملتی۔ مثلاً ایک شخص نے زنا کا ارادہ کیا وہ اپنے ارادہ پر قائم ہے لیکن کچھ موانع پیش آگئے جن کی بناء پر زنا نہ کرسکا تو ظاہر ہے کہ "ارادہ" پر وہ سزا ہرگز نہیں دی جاسکتی جو ایک زانی کو ملنا چاہیئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا زنا کے ارادہ سے بھی سزا ملے گی یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے ایک رائے تو اوپر گذری کہ ضرور ملے گی یہ جمہور کی رائے ہے وہ کہتے ہیں کہ خیالات پر تو واقعی کوئی سزا نہیں لیکن یہی دلی خطرات جب بڑھ کر "ارادہ و عزم" کی شکل اختیار کرلیں، تو اس پر مواخذہ بالکل ہوگا، ابو منصور ماتریدی اور شمس الائمۃ الحلوانی رحمہما اللہ کا یہی مسلک ہے، ان حضرات کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے کہ انّ الّذِیْنَ یحبّون ان تشیع الفاحشۃ (کہ جو لوگ معاشرہ میں برائیوں کی اشاعت چاہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ برائیوں کا ارادہ خدا تعالیٰ کے یہاں قابلِ مواخذہ ہے۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ بندہ کے دل میں جب برائی کا خیال بھی گذرتا ہے اگرچہ وہ اس کو کرتا نہیں لیکن پھر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو سزا ضرور ملتی ہے اور کچھ نہیں تو دنیا ہی کے غم و افکار، رنج اور پریشانیاں دامنگیر ہوتی ہیں اور یقیناً یہ اس کے برے خیالات کی سزا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ ارادہ بہر حال ایک قابلِ مواخذہ چیز ہے دوسری رائے یہ ہے کہ بندہ جب تک کر نہ لے اس وقت خواہ برائی کا کیسا ہی پختہ ارادہ ہو تاہم مواخذہ نہ ہوگا اس رائے کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جس میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت سے خیالات پر مواخذہ کا معاملہ ختم کردیا گیا اور اب ان سے کوئی اس پر مواخذہ نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ اس برائی کو کرنہ لیں یا اپنے اس برے ارادہ کا کہیں اظہار نہ کریں۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ مواخذہ کی بنیاد عمل ہے صرف خیالات کی حد تک کوئی گرفت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اکثر مفسرین نے ان آیات کا شانِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں اور ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہر چیز پر مواخذہ ہوگا تو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سخت پریشان ہوئے کہ یہ تو بڑی مصیبت ہے کہ مواخذہ ہر ہی بات پر ہو خواہ وہ ہمارے اختیار و ارادہ میں ہو یا نہ ہو تا آنکہ وساوس و خیالات پر بھی، اس پر آیات "آمن الرّسول" سے "لا یکلف اللہ الخ" تک نازل ہوئیں اور بتایا گیا کہ مواخذہ کا تعلق عمل سے ہے ارادہ سے نہیں بعض آثار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی آیات جن میں مواخذہ و محاسبہ کی اطلاع تھی آخری آیات یعنی لا یکلف اللہ الخ سے منسوخ ہوگئیں لیکن دیدہ ور علماء نے اس کو صحیح تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ نسخ اور منسوخی کا معاملہ احکام سے ہے نا کہ اس طرح کی خبروں سے پھر فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ حساب و کتاب تمام ہی افعال و اعمال کا ہوگا لیکن پھر بات خدا تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے جتنا حصہ چاہیں معاف فرمادیں اور جتنے اعمال پر چاہیں مواخذہ فرمائیں کیونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، مغفرت و گرفت بھی انھیں کی قدرت کے دو منظر ہیں۔

ایمان کے تقاضے

فرماتے ہیں کہ رسول تو ایمان لائے ان تمام حقائق اور فیصلوں پر جو خدا تعالیٰ کی جانب کیے گئے اور ایسے ہی مومنین بھی ان تمام بنیادی حقائق پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب ان باتوں پر ایمان رکھتے

ہیں کہ اللہ ایک ہے اور وہی معبود برحق ہے اس کی ایک مخلوق فرشتے بھی ہیں یہ نوری اجسام ہیں، معصوم ہیں، اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیئے آسمان سے کتابیں بھی نازل کیں اور اقوام کی ہدایت کے لیئے پیغمبر اور رسول بھی بھیجے اللہ کے رسول اور مومن کہتے ہیں کہ ہم تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں ایسا نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کی نبوت و رسالت سے انکار کردیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے آپ کے احکام سن لیئے اور ان کو قبول کیا نیز ان پر عمل بھی کیا اے ہمارے پروردگار ہم کو معاف فرما دیجیئے، آپ کی ہی طرف لوٹ کر آنا ہے،

علماء نے لکھا ہے کہ "رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ" میں مومنین کی طرف سے، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے، اور حساب وکتاب کے برحق ہونے کا اعلان ہے نیز ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان میں" استثنار کا نظریہ غلط ہے اور یہ بھی حقیقت انھیں آیات سے صاف ہوگئی کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب بہر حال مومن ہی رہتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی بندہ کو احکام و اعمال کا صرف اسی حد تک پابند فرماتے ہیں جو اس کے تحمل و برداشت کے مطابق ہو۔ "شرح تاویلات" میں ہے کہ بندہ سے وہی کام کرایا جاتا ہے جس پر اس کو قدرت بھی ہو۔ زمخشری لکھتا ہے کہ" وسعت" کے معنی یہ ہیں کہ انسان اس کام کو کسی دشواری، وتکلیف، تنگی وضیق کے بغیر کر سکے مطلب یہ ہوا کہ اسی طرح کے کاموں کا بندوں کو پابند کیا جاتا ہے جن کو وہ آسانی کے ساتھ کر سکیں، ایسے امور ان پر نہیں ٹھونسے جاتے ہیں جن کے کرنے میں وہ پریشان ہو جائیں چناں چہ بندہ کی طاقت میں یقیناً پانچ نمازوں سے زیادہ پڑھنے، ایک مہینہ سے زیادہ روزے رکھنے اور عمر بھر میں ایک سے زائد حج کرنے کا امکان تھا لیکن آسانی وسہولت کے پیشِ نظر ان تمام اعمال میں صرف اسی حد تک اس کو مکلف کیا گیا جو وہ سہولت اور آسانی سے کر سکے، ارشاد ہے کہ بندہ اب اگر اچھے کام کرے گا تو اس کو نفع پہونچے گا اور اگر برے کام کرے گا تو ان کا نقصان بھی اسی کو اٹھانا پڑے گا، قرآن مجید کے بیان کا یہ نکتہ پیشِ نظر رہے کہ "خیر" کے لیئے "کسب" کا لفظ استعمال کیا اور "شر" کے لیئے "اکتساب" کا، جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے کہ" لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" اور یہ اس لیئے کہ باب افتعال (جس سے اکتساب استعمال ہوا) کی ایک خصوصیت نفسِ انسانی کا کسی چیز کی طرف میلان اور رجحان ظاہر کرنا بھی ہے اور ظاہر ہے کہ برائیوں کی جانب انسان فوراً اور پوری قوت سے متوجہ ہوتا ہے اس لیئے اکتساب کا لفظ اختیار کیا گیا اور رہیں نیکیاں تو نفس ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ نفس کو متوجہ کرنا پڑتا ہے اس لیئے "کسب" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

یہ دُعائیں

ارشاد ہے کہ مومنین کی زبان پر ہمیشہ یہ دعائیں بارگاہِ کبریائی کے لیئے رہتی ہیں کہ اے ہمارے رب ان تمام امور پر جن پر ہم سے عمل نہ ہو سکا یا غلطی سے عمل ترک ہو گیا ہم سے مواخذہ نہ فرمایئے (یہ دعائیں اور بھول چوک پر گرفت ومواخذہ سے محفوظ رہنے کی گذارش اہلِ سنت کے اس مسلک کی تائید کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ اگر چاہیں تو بھول چوک پر بھی مواخذہ فرما سکتے ہیں ظاہر ہے کہ اگر ان معمولی لغزشوں پر گرفت ہونے کا امکان نہ ہوتا تو پھر دعا ہی کی کیا ضرورت تھی، لیکن معتزلہ اس میں اختلاف کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ معمولی فروگذاشتوں پر کوئی مواخذہ نہ فرمائیں گے اور یہ بھی دعاء کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ایسے سخت اور دشوار احکام کا پابند و مکلف نہ کیجیئے جو ہمارے تحمل و برداشت سے باہر ہوں جیسا کہ ہم سے پہلے یہود کو شدید احکام کا پابند کیا گیا تھا مثلاً ان کے یہاں کسی گناہ کی معافی سوائے قتل کے اور کچھ نہ تھی ایسے ہی اگر کپڑے پر نجاست لگ جاتی تو دھونے دھلانے سے وہ پاک نہ ہوتا بلکہ اتنے حصّہ کو کاٹ دینا ہوتا جو نجاست آلود

ہوتا۔ اور اے ہمارے پروردگار ہم پر وہ عذاب بھی مسلط نہ کیجئے جو ہم سے پہلی امتوں پر آپ نے فرمائے۔ ہمارے گناہ معاف کر دیجئے ہماری غلطیوں کی پردہ داری فرمایئے (مفسرینؒ نے لکھا ہے کہ "واعف عنا" میں بڑے گناہوں کی معافی مطلوب تھی اور "واغفرلنا" میں چھوٹے گناہوں پر معافی کی درخواست ہے اس لیئے یوں نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن مجید نے ایک ہی مضمون کو مکرر ذکر کیا) اور ہم پر رحم فرمایئے اس طرح کہ بروز قیامت ہماری بداعمالیوں کو ختم کر کے، اعمال کی ترازو کے اس پلہ کو اپنی رحمت سے لبریز فرما دیجئے جو نیکیوں کا ہو۔ عفو کی طلب قوموں کے اس عذاب سے نجات طلبی تھی جن پر مسخ کا عذاب طاری کیا گیا، مغفرت کی درخواست ان افراد وامم کے احوال سے محفوظ رہنے کی دعا ہے جو زمین میں دھنسا دیئے گئے اور رحمت کے سوال سے قوم فرعون کی طرح غرقابی کے عذاب سے پناہ مانگی گئی۔

اے ہمارے پروردگار آپ ہمارے مالک ہیں اور ہم آپ کے بندے ہیں ہمارے مددگار آپ ہی ہیں ہمارے تمام معاملات کو ٹھیک رکھنے والے جناب ہی ہیں اس لیئے آپ ہی ہم کو کفار کے مقابلہ میں کامیاب فرمائیں گے یقیناً کفر وایمان کے مقابلہ میں ایمان کی فتح آپ ہی کی نصرت پر موقوف ہے، آقا پر غلام کا حق ہے کہ آقا اپنے غلام کی امداد کرے سو آپ پر بھی آپ کے مؤمن بندوں کا حق ہے کہ آپ ان کی نصرت فرمائیں۔

ان آخری آیات یعنی "آمن الرسول" سے سورۂ بقرہ کے آخر تک فضائل کے سلسلے میں بہت سی احادیث جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو ان آیات کو پڑھ لے تو تمام رات کے لیئے یہ آیات اس کے لیئے کافی ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو عشاء کی نماز کے بعد ان آیات کو پڑھ لے تو یہی آیات اجر وثواب کے اعتبار سے تہجد کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ بلکہ اگر کوئی شخص ان چند آخری آیات کا پڑھنے والا ہو تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے پوری سورۂ بقرہ کی تلاوت کی، یہ آخری آیات پوری سورۂ بقرہ کا لب لباب اور نچوڑ ہیں اس کی تائید حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات خزانہ عرش الٰہی کا ایک گنجینہ ہے اگرچہ بعض علماء نے صرف سورۂ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت کو مکمل سورۂ بقرہ کی تلاوت کے حکم میں نہیں سمجھا وہ کہتے ہیں کہ کہنا یہی مناسب ہو گا کہ میں نے وہ سورت پڑھی جس میں بقرہ کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

ع ابھی ابھی ارشاد ہوا تھا کہ "لا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ واللہ بما تعملون علیم" اس کے بعد بطور دلیل ارشاد فرمایا کہ "للہ ما فی السموات وما فی الارض الخ" گویا کہ پہلے ایک دعوی کیا گیا تھا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں اس لیئے انسان اپنے تمام اعمال میں محتاط رہے تو ان آیات میں اس وسیع علم کے دعوے پر زمین وآسمان کی کامل ملکیت سے دلیل پیش کی گئی چنانچہ جو انسان شہادت کے باب میں اخفاء سے کام لے گا یا غلط شہادت دے گا اس کو جان لینا چاہیئے کہ وہ اپنے اس طرزِ عمل سے دنیا کو دھوکہ دے سکتا ہے لیکن اس علیم وخبیر کو مغالطہ میں ہرگز نہیں ڈال سکتا جو زمین وآسمان کی تمام وسعتوں کا مالک اور ان کی وسیع تر پہنائیوں کے راز ہائے خفیہ کا شناسا ہے مفسرین نے ان آیات کے دائرہ پر کافی گفتگو کی اور خود مصنف مدارک نے بھی خیالات، ارادے، اور عزائم کی تفصیلات اور ان کی بعض انواع پر گرفت ومؤاخذہ اور بعض اقسام پر ترک مؤاخذہ کی بحث طویل ترکی ہے اس علمی بحث سے قطع نظر "ما فی انفسکم" کے لفظ پر غور کیجئے انسانی دل میں چھپے ہوئے تمام ہی خیالات، کیفیات، جذبات وعوامل پر خدا تعالیٰ کو پوری اطلاع ہے ایک انسان حسد بغض، کینہ ور دنیا میں اپنے تصنع سے اپنے مخفی جذبات (باقی بر صفحہ ۹۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳) کو خوب چھپا سکتا ہے بقول شیخ سعدی رح "خبثِ نفس نگردد بسالہا معلوم"۔ لیکن حضرت حق جلّ مجدہٗ دل کی اتھاہ گہرائیوں میں پڑے ہوئے ان جذبات پر بھی یقیناً مطلع ہیں ایک دوسرا انسان برائیوں سے بے پناہ الفت کے مخفی جذبات پر شاید خود بھی مطلع نہ ہو، اور وہ نفس کے اس کید کو قیامت تک نہ سمجھ سکے کہ طبیعت کا پورا رجحان برائیوں کی جانب ہے جب ماحول سازگار ہو تو خواہشاتِ نفسانی کا دھارا، بے اختیار منکرات کی جانب امنڈ پڑے لیکن وقتی نیکیوں پر اقدام اس کی نظر میں تقوی ہو، مگر خدا تعالیٰ اس پر بھی مطلع ہیں گویا کہ جہاں انسان کی اپنی "بصیرت"، بھی خود اپنے بارہ میں صحیح فیصلہ سے عاجز ہے وہاں علیم وبصیر کی بے پناہ واقفیت پوری توانائی کے ساتھ گامزن ہے ان حقائق کے پیشِ نظر اب آیاتِ قرآنی کو پڑھیئے اور واللہ بما تعملون علیم۔ للہ ما فی السموات الخ کی اتھاہ وسعتوں پر غور کیجئے سورۂ بقرہ کی ابتدا میں سب سے پہلے اس حقیقت کو وا انشگاف کیا گیا تھا کہ قرآن مجید خدا تعالیٰ ہی کا کلام ہے کسی انسانی دماغ کی ترتیب سے یہ صحیفہ تیار نہیں ہوا، لیکن اس کے باوجود رشد وہدایت کے اس "اعجازی نسخہ" سے فائدہ صرف انھیں لوگوں کو پہونچے گا جن کے دل ودماغ ہدایت کی روشنی سے تاباں اور منور ہیں" ھدی للمتقین"۔ پھر ان اتقیاء کی صفات ذکر میں آئیں ساتھ ہی ان اصول ایمان کے تذکرے جن کو ان نیکو کاروں نے اختیار کیا، ان منافقین وکفار کی تفصیلی حالت جو شک وارتیاب کے کانٹوں میں اپنے ذہن ودماغ کو الجھائے ہوئے ہیں اہلِ کتاب کی بے عملیوں کی عبرت انگیز داستان، احکام ومسائل، اقوام وامم سے طویل مناظرے، انبیاء علیہم السلام کی مفصل سرگذشت، یہی مضامین سورۂ بقرہ کے اہم اور بنیادی مقاصد تھے مناسب تھا کہ اس اہم ترین، جامع اور مفصل سورۃ کا اختتام سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نوا مومنین کی اس خصوصیت پر ہو جو ایمان وعمل کی منور دنیا میں ان کو کفر وانکار کی تاریکیوں سے ممتاز کرتی ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ آمن الرسول الخ علامہ رشید رضا مرحوم نے المنار میں سورۂ بقرہ کے اول وآخر میں مربوط مطالب پر یہی لکھتے ہوئے کہا ہے کہ "ناسب بعد ھذا کلہ ختم السورۃ بالشھادۃ للمومنین مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالایمان وھم المھتدون تمام الاھتداء" یعنی ان اہم ترین مضامین کے ذکر کے بعد سورت کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی شہادت پر ختم ہونا چاہیئے تھا اور چنانچہ سورۃ کو اسی مضمون پر ختم کیا گیا۔ ایمان سے مراد ان تمام حقائق کی تصدیق ہے جو اس سورت میں نازل کیئے گئے مثلاً عقائد واحکام۔ بینات وہدایت وغیرہ۔ آج یورپ کے مفکرین نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ خود آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی رسالت کا یقین تھا حالانکہ یہی مفکرین صدیوں کہتے رہے کہ ایک انسان، حکومت واقتدار کی طلب میں اٹھا اس نے کوشش شروع کی اور انسانوں کو اپنے قریب جمع کرنے کے لیئے نبوت کے دعوے سے زیادہ کوئی مفید چیز اس کو نظر نہ آئی اس لیئے اس نے اپنی رسالت کا غلغلہ بلند کیا حالانکہ وہ خود بھی جانتا تھا کہ میں رسول نہیں ہوں (العیاذ باللہ)۔

ایمانیات کا سب سے پہلا مطالبہ اور مرکزی نقطہ ایمان باللہ ہے یعنی اس پر یقین کہ اللہ ایک ہے، موجود ہے، ہر عیب سے پاک ہے صفات وکمالات کا منفرد مرکزِ ثقل ہے، نہ کوئی دیوی نہ دیوتا، نہ بیٹا نہ بیوی نہ روح القدس کسی حیثیت سے بھی اس کے کاروبار میں قطعاً شریک نہیں، فرشتے واقعی ایک مخلوق ہیں، نوری مخلوق، جن کے ساتھ کھانے پینے کی ضرورت قائم نہیں وہ مذکر ومؤنث کے نوعی تقسیم سے بھی بہت دور ہیں، معصوم ہیں اور اپنے خدا کے بے حد مطیع ومنقاد، انبیاء علیہم السلام اور خدا تعالیٰ کے مابین، وحی کو محفوظ ترین طریقہ پر پہنچا دینے کا مامون ذریعہ ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ملائکہ پر ایمان کے سلسلے میں دو اہم حقیقتوں پر ایمان مطلوب ہے، ایک ان کے وجود پر، ان تمام تفصیلات کے ساتھ جو مذکورۂ بالا سطور میں گذریں (باقی بر صفحہ آئندہ ۹۵)

(بقیہ صفحہ گذشتہ ۹۴) اور دوسری بات یہ کہ وہی سفارت کا کام انجام دیتے ہیں۔ منکرینِ حدیث اور ان کے سرخیل سرسید مرحوم خدا ان کی ذلتوں سے درگذر فرمائے فرشتوں کے وجود ہیں کن رکیک تاویلات کے محض اسی وجہ سے مرتکب ہوئے کہ ایمان بالملائکہ کا وہ مطلب صحیح نہ سمجھ سکے، ایمان بالکتب صرف اس تفصیل کے ساتھ کہ خدا تعالیٰ نے اقوام و امم پر انبیاء کی معرفت صحیفے اور نوشتے نازل کیئے اس کا آخری کلام قرآن مجید ہے اب کوئی آسمانی کتاب سوائے قرآن مجید کے اصلی شکل و صورت میں موجود نہیں کوئی صحیفہ بجز قرآن مجید کے عمل کی کسوٹی قرار نہیں دیا جا سکتا، ایمان بالرسل یعنی اس بات کی تصدیق کہ دنیا کی ابتداء سے لے کر تا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کا ایک مقدس طائفہ انسانوں ہی میں سے انسانوں کی ہدایت کے لیئے اٹھایا جاتا رہا۔ اس کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی اور آخری نقطۂ پرکار ذات بابرکات، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جن پر نبوت و پیغمبری، رسالت و سفارت ختم کردی گئی اب آپؐ کے بعد کوئی نبی کسی حیثیت سے بھی دنیا میں نہیں آئے گا، خدا تعالیٰ کی لاکھ بار لعنت انسانوں کے ان مفسد عناصر پر جو آپؐ کے بعد نبوت کے مدعی ہوئے اور خدا تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے ان لوگوں کو جن کے ہجوم نے دنیا کے ان سب سے بڑے مردود طبقہ کی ارادی و غیرارادی طور پر تصدیق کی، اسلام تمام انبیاء پر یقین و ایمان کی دعوت دیتا ہے جو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوئے اور جن کی نبوت یقینی تھی وہ بنواسرائیل کی طرح مسلمان کے ذہن کی تربیت نہیں کرتا جو صرف اسرائیلی انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں اور بس بلکہ خاتم سلسلہ بنواسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی پیغمبر نہیں مانتے۔ مسلمان کا ایمان عدم تفریق بین الرسل سے مرکب ہے "لا نفرق بین احد من رسلہ"، سمع و اطاعت مسلمان کی عملی زندگی کا امتیاز گویا کہ عقائد میں استحکام کے بعد عمل میں ان کی خصوصیت "سننا اور عمل کرنا" ہے۔ "وقالوا سمعنا و اطعنا" اس اطاعت و انقیاد کے عملی مظاہرہ میں انسانی غیرارادی لغزشوں پر "غفرانک" ہم کو معاف فرما دیجئے کی مضطربانہ دعائیں اس کا شعار ہے، اگرچہ خود خدا تعالیٰ کسی انسان کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف بھی نہیں فرماتے جیسا کہ "لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا" سے ظاہر ہے لیکن اپنے تحمل و وسعت کے اندازہ میں بھی غلطی ہو سکتی ہے اور ایسے ہی وسعت کے مطابق احکام جو دیئے گئے تھے اس کی ادائیگی میں کوتاہی و قصور کے امکانات بھی ہیں پس بہتر یہی ہے کہ انسان عمل کیئے جائے اور ترکِ عمل کے خوف سے طلبِ مغفرت کی دعائیں اس کی زبان پر ہوں، یقین اگر یہ ہو کہ انسان کے اعمال ہی اس کے لیئے مفید اور مضر ہوں گے" لھا ما کسبت (اس کے اعمال اس کے لیئے مفید) وعلیھا ما اکتسبت (اور اسی کے اعمال خود اس کے لیئے مضر) تو عملِ صالح کا دروازہ انسان پر کھل جاتا ہے اور بے عملی یا بدعملی کے دروازہ کو انسان خود پر بند کر لیتا ہے۔ لیکن پھر بھی نسیان و بھول چوک کے امکانات کہاں ختم ہوئے اس لیئے بہتر یہی ہے کہ انسان عمل کرتا رہے اور نسیان و خطا پر بارگاہِ غفران پناہ سے مغفرت طلبی میں قاصر بھی نہ ہو۔ ربنا لا تواخذنا الخ کی صدائیں، وردِ زبان ہوں۔ انسانوں کا وہ ہجوم جو ہم سے پہلے اس دنیا کی سطح پر نمایاں ہوا اور گذر گیا، بدعملی اور بے عملی، نسیان و خطا کے مسلسل مظاہرہ اور اس پر غفران پناہ بارگاہ کبریائی سے عفو و مغفرت کی طلب میں قاصر رہنے کی بناء پر، خدا تعالیٰ کی اس عظیم نعمت سے محروم ہو گیا جو ہلکے پھلکے احکام کی پابندی کی صورت میں اس پر جاری تھا۔ علیم و خبیر نے پھر اہم مصالح کے پیشِ نظر ان قوموں پر وہ احکام لاگو کر دیئے جو ہمارے اعتبار سے سخت لیکن ان کی قسی و شقی مزاج و طبائع کے بالکل مناسب تھے، یہ نہایت اہم موقع ہے کہ کیا خدا تعالیٰ کسی فرد و جماعت پر ایسے بھی احکام عمل کے لیئے جاری فرما سکتے ہیں جو اپنی جگہ پر شاق اور ناقابلِ عمل ہوں یہ بحث عام طور پر تفسیر کے اہم اور دشوار مقامات سے سمجھی جاتی ہے اس لیئے خاکسار مترجم تھوڑی تفصیل سے اس کا معقول حل (باقی بر صفحہ ۹۶)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵) پیش کیا جا رہا ہے، سب سے پہلے اِصر کے لغوی معنی کو لیجیے عام طور پر اس کا ترجمہ "بوجھ" کیا جاتا ہے ایسا بوجھ جو آدمی سے اٹھ نہ سکے چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ "ای عباء ثقیلا یاسر صاحبہ ای یحبسہ مکانہ" یعنی ایسا بوجھ جو آدمی کے لیے ناقابلِ برداشت ہو لیکن قرآن مجید میں اِصر سے کیا مراد ہے۔ ہمارے مفسرین عام طور پر اس سے ایسے احکام مراد لیتے ہیں جو شاق اور دشوار ہوں، زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ یہ لفظ امور شاقہ کے لیے پابند کرنے کے مفہوم میں استعمال ہے (استعیر للتکالیف الشاق)۔ روح المعانی میں بھی لکھا ہے کہ "والمراد بہ التکلیف الشاقۃ"، تاہم یہ لفظ اپنے جوہری لفظی ترکیب کے اعتبار سے اس پر صاف دلالت کرتا ہے کہ وہ احکام و عمل جن کا سابقہ امتوں کو پابند کیا گیا تھا اگرچہ شاق و سخت تھے تاہم انسان کی طاقت و قدرت کے بالکل مطابق تھے، جن کو خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے مزاج کے موافق جاری فرمایا تھا۔ آج آپ طب کی قدیم کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھیے آپ کو حیرت ہوگی ادویہ کے ان اوزان سے جو نسخوں میں درج ہیں لیکن جب آپ اس حقیقت پر مطلع ہوں کہ پہلے زمانہ کے نہایت قوی معدہ کو حرکت میں لا کر مادہ کے اخراج کے لیے چار پانچ تولہ گلقند کی ضرورت پیش آتی اور اب کمزور معدہ ایک تولہ گلقند میں بھی، مادہ کو خارج کر دینے کے لیے مستعد ہو سکتا ہے تو آپ کو قدیم نسخوں میں گلقند سیوتی کے چار پانچ تولہ وزن پر کوئی تعجب نہ رہے گا، بس اسی طرح سرکش قوموں کے لیے اسی طرح کے حکیمانہ فیصلوں کی یقیناً ضرورت تھی جو ان کی نافرمانی و طبعی سرکشی کا مکمل علاج ہوں، گویا کہ ان کو ان شدید احکام کا مکلف قرار دینا ظلم نہیں بلکہ حکمت و عدالت کا اعلیٰ ترین مظاہرہ ہے۔

علامہ رشید رضا مرحوم لکھتے ہیں کہ دعائیہ کلمات میں خاص طور پر اس کا ذکر اس کی مخصوص اطلاع ہے کہ انشاء اللہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر شدید احکام جاری نہ کیے جائیں گے جیسا کہ خود حضرت حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا ہے "ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج" یعنی اللہ تعالیٰ تم کو کسی دشواری میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے، اگرچہ امکان قطعاً نہیں تاہم انسان دعا، تو بہر حال کرتا رہے۔ چنانچہ اس کی بھی دعا کرے کہ خدا تعالیٰ ہم کو کسی ایسی آزمائشوں میں نہ ڈال دیں جو اس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیں، ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ" اس سے مراد وہی سزائیں، آزمائشیں اور تکالیف ہیں چنانچہ المنار میں ہے کہ "من العقوبۃ او من البلایا والفتن والمحن"۔ یہاں ہمارے عام مفسرین نے اس بحث پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے کہ کیا خدا تعالیٰ کسی کو ایسے احکام کا بھی پابند کر سکتا ہے جو انسان کی قدرت و طاقت سے باہر ہوں، اگر ہمارے معروضات و ذیلی مباحث سامنے ہیں تو پھر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ہم نے ترجمہ و تشریح احکام و اعمال سے نہیں بلکہ آزمائشوں اور مصائب سے کی ہے لیکن اگر احکام و عمل مراد لیے جائیں تو جب بھی یاد رکھیے کہ ایسے احکام ہرگز مراد نہیں ہو سکتے جو انسانی طاقت و تحمل سے بالکل باہر ہوں بلکہ شدید احکام ہی مراد و متعین ہوں گے، عربی زبان میں ما لا یطاق (جس کی طاقت نہ ہو) کا ترجمہ شدید احکام ہی کیا جاتا ہے، المنار میں ہے کہ "وقد رأینا ان العرب تعبر بما لا یطاق عما فیہ مشقۃ شدیدۃ" یعنی عرب ما لا یطاق سے شدید احکام مراد لیتے ہیں، ان حقائق کے پیش نظر یہ شبہ نہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ انسان پر اعمال کا ایسا بوجھ مسلط فرما دیتے ہیں جو اس کی طاقت سے بالکل باہر ہو۔ عفو طلبی (واعف عنا) گناہوں پر پردہ اور ان کو ظاہر کر کے رسوا کرنے سے کسی کو محفوظ رکھنا یعنی طلب مغفرت (واغفر لنا) دین و عمل، ایمان و عقیدہ کی درستگی جو اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی رحمت ہے اس کا سوال (وارحمنا) ہدایت کا فیضان، توفیق کی رفاقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اس لیے بندہ کا بار بار یہ اعلان (انت مولٰنا) کفار کے مقابل اور ان کی شرک آمیز فطرت کے خلاف اپنا ایک واضح فیصلہ ہے وہ کفر و شرک جس نے مولائے حقیقی کو چھوڑ کر غیر اللہ کے باطل سایوں میں اپنے خیالات و واہی تمناؤں کے کچے گھروندے تعمیر کیے ہیں ان کفر پیشہ انسانوں کے بالمقابل نصرت کی دعا مومن کا سرمایہ ایمان ہے فانصرنا علی القوم الکافرین۔ الحمد للہ کہ مترجم سیہ کار کا قلم "فسطاط القرآن" یعنی قرآن مجید کے عظیم ترین آراستہ خیمہ سورۂ بقرہ کی تشریح سے فارغ ہوا۔ خدا کرے کہ یہ الفاظ جو تشریح و تفسیر کے لیے سیاہ نامہ کے قلم سے نکلے اس کی نجات و مغفرت کا سامان بن جائیں وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ انظر شاہ الکشمیری خادم التدریس بدار العلوم دیوبند صانہا اللہ عن الشرور والفتن ۱۴ محرم یوم یکشنبہ

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل مبوّب

فقہی ترتیب والا جدید ایڈیشن!

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ دور کا عظیم شاہکار، پیدائش سے لیکر موت تک کے مسائل پر

حاوی بینظیر مجموعہ، ڈھائی ہزار سے زائد ایسے مسائل جو عموماً مفصل اور عبارات فقہیہ کے ساتھ مدلل ہیں

مُرتب :- حضرت مولانا محمد اکمل صاحب سابق رفیق دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند عالمِ اسلام کا وہ عظیم الشان اور سب سے بڑا مرکز ہے جس کی شہرت اور عظمت دنیا کے ہر ملک میں پھیلی ہوئی ہے جو محتاج تعارف نہیں، اسی طرح اِس کے فتاوے کو جو مقبولیت اور اعتماد تام حق تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے وہ کسی مسلمان پر مخفی نہیں۔ ہند و بیرونِ ہند، عوام و خواص، پنچایتوں اور عدالتوں میں دیوبند ہی کا فتویٰ اپنی شان مرکزیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اہم اور فیصلہ کن مانا جاتا ہے۔ الحمد للہ اکابر علماء کی یہ محنت شاقہ عامۃ المسلمین کے فائدے کے لئے کتابی شکل میں "فتاویٰ دارالعلوم" کے نام سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ لیکن اَب صرف پہلی مرتبہ یہ کتاب اپنی شایانِ شان اور ظاہری و باطنی خصوصیات نیز پورے حقوق کی ادائیگی کے شائع ہو گئی ہے، اِس مختصر اعلان میں تمام خصوصیات نہیں آسکتیں اس لئے چند اہم خصوصیات تحریر ہیں: ملاحظہ فرمائیے (۱) اِس فتاوے میں دو سلسلے ہیں ایک کا نام "عزیز الفتاویٰ" جو مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے تحریر فرمودہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے، دوسرا "امداد المفتین" جو مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ (۲) اِس جدید ایڈیشن کو فقہی ترتیب کے مطابق مرتب کرا کر شائع کیا گیا ہے تاکہ کسی بھی مسئلہ کے نکالنے میں کوئی دِقت یا دُشواری نہ ہو اور بآسانی مطلوبہ مسئلہ نکل آئے (۳) لاؤڈ اسپیکر (آلۂ مکبر الصوت) سے متعلق مسئلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم نے حال ہی میں علمائے دیوبند و دیگر علماءِ اُمت کی تحقیق و آراء کے ساتھ تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس کو اس ایڈیشن میں شامل کرا دیا گیا ہے۔ (۴) اِس میں عموماً ایسے فتوے ہیں جو مفصل اور عبارات فقہیہ کے ساتھ مدلل ہیں تاکہ علماء و طلباء اور اہلِ فتویٰ کے لئے بھی مُفید ہوں۔ (۵) فتاویٰ دارالعلوم کی پہلی جلد میں دارالعلوم دیوبند اور اس کے فتاویٰ کی مختصر تاریخ درج ہے۔ (۶) فتاویٰ کی ہر جلد کے شروع میں فہرست مضامین بھی لگائی گئی ہے، جس سے مسائل کا نکالنا اور بھی سہل ہو گیا ہے (۷) کتاب فتاویٰ کی اہمیت کے باعث اس کی مکرر صحت کرائی گئی ہے اور صحت ثانی استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید حسن صاحبؒ مدرس دارالعلوم دیوبند سے کرائی گئی ہے (۸) کتابت۔ طباعت اور کاغذ سب معیاری ہے۔ ٹائٹیل خوشنما، دیدہ زیب جس میں دارالافتاء دارالعلوم کا فوٹو بھی شامل ہے۔ غرضیکہ اس ایڈیشن میں ضروری اضافوں حاشیوں اور صحت میں بہت زیادہ اہتمام کے باعث اس کی افادیت و خصوصیات میں زبردست اضافہ ہو گیا ہے۔ اب بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ فتاویٰ دارالعلوم فقہی معلومات کا عمدہ اور مستند ذخیرہ ہے۔ جو طلباء کے لئے شفیق استاذ۔ علماء کے لئے بہترین مشیر اور عوام کے لئے ماہر مفتی کا کام دینے والا ہے۔ الحاصل زندگی کے ہر شعبہ کی تمام ضروریات سے متعلق مسائل کا یہ عظیم ذخیرہ اس قابل ہے کہ تمام مدرسوں، خانقاہوں۔ لائبریریوں اور ہر مسلم گھرانے میں برائے مطالعہ رکھا جائے۔ ہدیہ مکمل سیٹ اکیس ۲۱ روپے۔

خِضر راہ بُک ڈپو ـــــ دیوبند (یوپی)

صرف پہلا پارہ غیر ممبران کو بھی رعایتی قیمت یعنی ۱۲؍ میں دیا جاتا ہے
اردو ترجمہ
تفسیر ابن جریر
ابن جریر ہی تفسیر کی وہ عظیم ترین کتاب ہے جس کو بعد کے تمام تفسیری ذخیرے کا اگر سرچشمہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔
یہ تفسیر صدیوں سے قرآنیات کے سلسلے کی بنیاد چلی آرہی ہے۔ اس عظیم کتاب کی خصوصیات درج ذیل ہیں
(۱) قرآن مجید کو احادیث کی روشنی میں حل کرنے کی کامیاب کوشش
(۲) اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے استدلال
(۳) معتبر مفسرین کی رائے کے پیش نظر جچے تلے فیصلے
(۴) لغت و زبان کے ٹکسالی محاورات سے صحیح استناد
(۵) اجماع امت کی قطعی راہ نمائی
(۶) خاتمہ کلام پر علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا آخری فیصلہ۔
(۷) یہی تفسیر آپ کو بتائے گی کہ قرآن، علوم و حکمت کا ایک بحر ذخار، اور حکمت الٰہی کا ایک مستور خزانہ ہے
(۸) اس عظیم شاہکار کی خصوصیت اس یقین کی آبیاری ہے کہ قرآن واقعی ایک صحیفہ الٰہی، انسانیت کو ایک پیغام اور کائنات کیلئے ایک نسخۂ شفاء ہے!
بلاشبہ لاکھوں احادیث کے مہتابی سایہ میں قرآن عظیم کی اہم ترین خدمت
ضرورت تھی کہ اس عظیم و گرانمایہ شاہکار کو اردو میں اس طرح منتقل کیا جائے کہ علماء و فضلاء کا یہ مخصوص سرمایہ مسلمانوں کی عام دولت بنجائے اس لئے اس کے ترجمہ کے لئے مستند علماء کی خدمات حاصل کی گئی ہیں، اور اب یہ ترجمہ ماہ بماہ پیش کیا جاتا ہے۔
آپکے تعاون کی صورت
یہ کہ آپ اس اہم دینی خدمت کے لئے صرف ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کرکے ممبر بنجایئے۔ ممبران کی خدمت میں ہر ماہ تفسیر ابن جریر اردو کا ایک پارہ بذریعہ وی، پی روانہ کیا جائے گا، ایک پارہ کی عام قیمت دو روپے ہوگی، لیکن ممبران کو ۱۲؍ میں دیا جائے گا، ہر پارہ پر ڈاک خرچ ۸۵ نئے پیسے آئیگا۔ لیکن اگر پانچ یا اس سے زیادہ حضرات ایک ساتھ ملکر وی، پی منگائیں گے تو اوسطاً ہر پارہ پر ڈاک خرچ ۷؍ آنے پڑے گا ایک پارہ کی ضخامت اوسطاً سو صفحا ہوگی۔ سائز ۲۰×۳۰/۸ کاغذ عمدہ گلیز، کتابت و طباعت عمدہ اور روشن
آج ہی خود ممبر بنجایئے! اور دوسروں کو بھی ممبر بنایئے! مزید تفصیلات کے لئے اس پتہ پر لکھیئے۔
بیت الحکمت دیوبند۔ (یو، پی)
پاکستانی خریدار حضرات
حسب ذیل پتہ پر ایک روپیہ فیس ممبری اور دو روپے قیمت پارہ مع ڈاک خرچ روانہ کرکے رسید (ڈاک خانہ) ہمارے پتہ پر بھیج دیں، پارہ ان کے نام روانہ کر دیا جائے گا۔ اور ممبر بننے کے بعد آئندہ صرف دو روپے بھیج کر پارہ منگاتے رہیں گے۔
پاکستانی پتہ:۔ مولانا محمد صاحب انوری تعلیم القرآن سنت پورہ لائل پور (مغربی پاکستان)